www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

اقتصادِ اسلامی

حافظ حسن مدنی
مدیر معاون

سود کیا ہے؟...... کیا تجارتی سود بھی حرام ہے؟

[مختلف اعتراضات / شبہات کی وضاحت]

گذشتہ دنوں جب والدِ گرامی مولانا عبد الرحمن مدنی سپریم کورٹ کے معاون کی حیثیت سے عدالت میں پیش ہوتے رہے تو سود کے بارے میں مختلف مجالس میں شرکت کا موقعہ ملا، مختلف اعتراضات اور ان کی وضاحتیں سامنے آئیں۔ محدث کے مضامین کی تیاری اور ایڈیٹنگ کے دوران بھی اس موضوع پر سوچنے کا موقعہ میسر آیا۔ شروع میں تو کوئی ایسا پروگرام نہیں تھا کہ اس موضوع پر لکھا جائے لیکن محدث کی تکمیل کے دوران ہی اس امر کا احساس شدید ہوتا گیا کہ متعدد نکات ایسے ہیں جو ترتیب اور جدید اُسلوب میں ڈھلنے کے متقاضی ہیں۔ گو کہ ان کے بارے میں علماء عرصہ دراز سے لکھتے آرہے ہیں اور مستقل کتب بھی موجود ہیں لیکن سود نمبر کی جامعیت اور بہتر ترتیب کی غرض سے میں نے بھی اس کارِ خیر میں حصہ لینا سعادت خیال کیا۔

یہ مباحث بڑے دقیق ہیں اور ان میں درست رائے اپنانا بڑی علمی بصیرت کا متقاضی ہے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ بعض مقامات پر مجھ سے غلطی ہوگئی ہو جس کے لئے میں اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہوں...... (حسن مدنی)

ربا کی تعریف

رِبا عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی زیادتی، بڑھوتری اور اضافہ کے ہیں۔ اُردو زبان میں اس کے لئے سود کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، اسی سے ہی سود وزیاں (نفع ونقصان) کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔

انگریزی میں Interest اور Usury ربوا کے ہم معنی ہیں۔

شریعت کی اصطلاح میں سود کی تعریف / مراد

"وہ مشروط اضافہ ہے جو معاہدۂ لین دین میں بغیر کسی حق کے حاصل کیا جاتا ہے" (۱)

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَالُوْا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾

"سود خوروں نے کہا کہ سود اور تجارت ایک ہی چیز ہیں جبکہ اللہ نے بیع (کے اضافے) کو تو حلال کیا ہے اور سود کے اضافہ کو حرام کیا ہے" (البقرۃ:۲۷۵)

(۱) ربا کی مختلف تعریفات میں امام سرخسیؒ کی تعریف "هو الفضل الخالي عن العوض المشروط ذا دخل في البيع" سب سے جامع ہے لیکن دورِ حاضر میں اٹھائے جانے والے بعض شبہات کی وجہ سے اس میں معمولی سی وضاحت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ تعریف میں عوض کی بجائے 'بغیر کسی حق' کا لفظ استعمال کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ (دیکھئے صفحہ ۴۶، ۸۳)

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

تجارت اور سود میں فرق

اس آیت کریمہ کے منشا و مراد تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ بیع اور سود کے اضافہ میں فرق کا جائزہ لیا جائے کہ آخر کس بنیاد پر بیع کا منافع تو جائز ہے اور سود کا اضافہ جائز نہیں۔ یہ فرق درج ذیل ہیں:

(۱) تجارت میں نفع کا حصول یقینی نہیں ہوتا بلکہ نفع کے ساتھ نقصان کا بھی امکان ہوتا ہے جبکہ سود کی صورت میں یہ نفع/اضافہ لازمی ہوتا ہے اور سود دینے والے کو اس اضافے کے حصول میں کسی رِسک (خطرے) سے دوچار نہیں ہونا پڑتا۔

(۲) تجارت کی صورت میں کسی جنس کو نقدی کے بدلے خریدا یا فروخت کیا جاتا ہے اور اس جنس کی تیاری میں انسانی توتیں صرف ہو کر اس کو قابل فروخت بناتی ہیں اور حاصل ہونے والا نفع دراصل اِن انسانی کاوشوں کا ثمرہ ہوتا ہے۔ جبکہ سود کی صورت میں رقم (Money) کا رقم سے سودا ہوتا ہے اور حاصل ہونے والا فائدہ صرف رقم کو مخصوص مہلت کے عوض دینے پر حاصل کیا جاتا ہے۔

(۳) تجارت میں یہ معاہدۂ لین دین عموماً مختصر مدت کے بعد ختم ہو جاتا ہے جبکہ سود کی صورت میں طویل عرصے بلکہ لامحدود مدت کے لئے جاری رہتا ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے صفحہ ۲۰۱)

مشروط اضافہ

شریعت کی نظر میں صرف اسی اضافے کو سود کہا جائے گا جس کے حصول کا قرض دینے والے کو پہلے یقین ہو جائے۔ اور اگر کسی اضافے کی شرط نہیں کی گئی اور مقروض ادائیگی کے وقت مرضی سے کوئی اضافی مال یا تحفہ دے دیتا ہے تو وہ سود میں شمار نہیں ہوگا۔ اصل قرض سے زیادہ دینا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے جبکہ سود کا شبہ پڑنے یا رواج پا جانے کا خطرہ نہ ہو اور اس کو حسن قضاء الدین کہا جاتا ہے جس کی نبی اکرم ﷺ نے تعریف کی ہے۔ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ

> ''نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص سے اونٹ قرض لیا۔ جب وہ شخص اپنا اونٹ واپس لینے آیا تو آپ نے صحابہؓ کو وہ اونٹ دینے کو کہا۔ صحابہؓ نے فرمایا کہ اس کے دیئے اونٹ کی عمر کا اونٹ تو موجود نہیں، اس سے بڑی عمر کا (بہتر) اونٹ موجود ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہی دے دو، کیونکہ تم میں وہ شخص بہتر ہے جو قرض اچھی طرح ادا کرے۔'' (صحیح بخاری: باب حسن القضاء)

اسی طرح صحیح بخاری کی ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جابر بن عبداللہؓ سے ان کا ایک اونٹ ادھار پر خریدا اور ادائیگی کے وقت مقررہ قیمت سے کچھ زیادہ ادا کیا۔ (صحیح بخاری: ایضاً)

☆ بعض لوگوں نے قرض کی ترغیب دینے کے لئے یہ تجویز پیش کی ہے کہ حکومتی اور عوامی سطح پر قرض کی ادائیگی کے وقت تحفہ دینے کو رواج دیا جائے۔ لیکن شریعت کی رو سے اس کی اجازت

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

نہیں ہے بلکہ یہ سود کو جائز کرنے کا حیلہ ہے۔ کیونکہ شرعی قاعدہ ہے کہ المعروف کالمشروط "وہ شے جس کا رواج بن جائے وہ بھی شرط کے حکم میں ہی ہوتی ہے" چنانچہ قرض دینے والے کے ذہن میں اگر کسی بھی قسم کا فائدہ حاصل کرنے کا کوئی امکان ہو چاہے قرض دار کی عادت کے طور پر یا رواج کے طور پر تو یہ قرض پر اضافہ کے ضمن میں ہی آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مقروض سے تحفہ وصول کرنے سے منع کرتے ہوئے اسے رِبا قرار دیا ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

إِذَا أَقْرَضَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلاَ يَأْخُذْ هَدِيَّةً (بخاری فی تاریخہ)

"جب کوئی شخص دوسرے شخص کو قرض دے تو اُس سے تحفہ قبول نہ کرے"

ایک اور حدیث میں کسی شخص کی دوسرے سے نیکی (مثلاً سفارش) کرنے پر اسے تحفہ دینے کو آپ نے سود کا عظیم دروازہ کھولنے کے مترادف قرار دیا (صحیح سنن ابوداود: باب فی الہدیہ لقضاء الحاجہ)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر کو اونٹ کی ادائیگی میں جو مال زیادہ دیا تھا، اس کا نہ اعلان ہوا تھا اور نہ حضرت جابرؓ کے علم میں یہ تھا کہ مجھے مقررہ قیمت سے زیادہ بطورِ احسان ملے گا۔

☆ بعض لوگ یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ اضافہ اگر بہت زیادہ ہو تو حرام ہے لیکن اگر مناسب یا کم ہو تو جائز ہے۔ جبکہ شریعت میں قرض پر اضافے کی کمی بیشی کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ یہ اُصول ہے:

ما أسكر كثيره فقليله حرام "جس کا زیادہ حرام ہو، اس کا قلیل بھی حرام ہے" (جامع ترمذی)

شراب کا ایک گھونٹ بھی ویسے ہی حرام ہے جیسا چھلکتا ہوا جام۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"سود کا ایک درہم جو آدمی کھاتا ہے اور وہ اس کے سودی ہونے کا جانتا ہے، گناہ میں زنا سے ۳۶ گنا زیادہ سنگین ہے" (مسند احمد، دارمی بحوالہ مشکوٰۃ: کتاب البیوع)(۲)

ایک اور حدیث میں نبی اکرم کا یہ فرمان بھی آیا ہے:

"سود کے اگر سو حصے بھی کئے جائیں تو اس کا کمترین حصہ بھی (گناہ میں) اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے" (ابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ: کتاب البیوع)

معروف فقیہ ابن عبدالبر مالکی (م ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

"مسلمانوں کا اپنے نبی کے کہنے پر اس امر پر اجماع ہو چکا ہے کہ اُدھار پر اضافے کی شرط لگانا سود ہے اگرچہ وہ اضافہ ایک مٹھی گھاس ہو یا ایک دانہ۔" (التمہید: ج ۴، ص ۶۸)

اِس بحث کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اہل مغرب نے اپنے ہاں مناسب شرح سود کو تو جائز قرار دیا ہوا ہے جسے وہ Interest کا نام دیتے ہیں جبکہ زیادہ / ظالمانہ شرح سود کو وہ معاشرتی جرم سمجھتے ہیں اور اس کے اِنسداد کے لئے باقاعدہ قوانین موجود ہیں، اس کا نام انہوں نے Usury رکھا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے اہل مغرب کا یہ صرف ایک لفظی دھوکہ ہے ورنہ انٹرسٹ اور

(۲) حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: اسے احمد بن حنبلؒ نے روایت کیا ہے کہ اور سند کے راوی صحیح حدیث کے رواۃ کی شرط پر پورے اترتے ہیں (مجمع الزوائد: ج ۴، ص ۱۱۷) علامہ ابن جوزیؒ نے راوی حسین بن محمد کی وجہ سے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ [illegible] دونوں [illegible] استدلال ہے (القول المسدد)

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

یوژری میں کوئی فرق نہیں کیونکہ مناسب شرح سود کا آج تک تعین نہیں کیا جاسکا۔ جس جگہ وہ سود کو جائز قرار دینا چاہیں تو اسے انٹرسٹ کہہ لیتے ہیں اور جہاں سود سے ان کے زور آور طبقات کے مفادات پر زد پڑتی ہو وہاں اسے یوژری کا نام دے دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ شرح سود ۲ فیصد بھی ظالمانہ ہوتی ہے اور بعض اوقات ۲۹ فیصد بھی مناسب، اسی طرح ایک ہی وقت میں ایک ہی شہر میں مختلف مقاصد کیلئے حاصل کئے جانے والے قرضوں پر سود کی شرح میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ (دیکھئے ص ۱۷۹) اسلامی شریعت کی رو سے شرح سود میں کمی بیشی کا کوئی اعتبار نہیں۔

☆ بعض لوگ قرآنِ کریم کی آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں سود مرکب کو حرام کیا گیا ہے یعنی سود در سود کو جبکہ سود مفرد حرام نہیں ہے...... یہ استدلال درست نہیں ہے۔ قرض پر سود کی مختلف شکلیں ہیں:

(۱) پہلی شکل یہ ہے کہ مقروض ایک سال کے بعد قرض ادا کردے تو کوئی اضافہ دینا ضروری نہیں ہوگا لیکن اگر اس مخصوص مدت کے بعد ادائیگی نہ کی جاسکی تو تب اس پر اضافہ دینا لازمی ہوگا۔

(۲) سود مفرد: یعنی مال کو اس شرط پر قرض دیا جائے کہ ادائیگی کے وقت اس میں اضافہ کرنا ہوگا۔

(۳) سود مرکب: اگر طے شدہ مدت پر ادائیگی ہوگئی تو اس میں مخصوص اضافہ دینا ہوگا۔ اور اگر طے شدہ مدت پر ادائیگی نہ کی جاسکی تو اس رقم میں سود شامل کرکے سرمایہ پر مزید ہر سال یا مخصوص مدت گزرنے پر مخصوص اضافہ مسلسل ہوتا رہے گا۔ یہ سود در سود یا سود مرکب کہلاتا ہے۔

(۴) ایک شخص نے دوسرے سے ایک شے ۱۰۰ روپے میں خریدی اور ۳ ماہ بعد قیمت کی ادائیگی کا وعدہ کرکے اس کو تحریر وصولی (پوسٹ ڈیٹ چیک یا ہنڈی وغیرہ) لکھ دی۔ اگر بیچنے والا طے شدہ مدت سے پہلے اپنی رقم وصول کرنا چاہے تو بنک (یا متعلقہ ذمہ دار) اس کو ۹۰ روپے یا کچھ کٹوتی کرکے ادا کردے۔ اس کو 'ڈسکاؤنٹ' کا نام دیا جاتا ہے اور اس میں معاملہ برعکس ہوتا ہے۔

شریعت کی رو سے یہ سب صورتیں اور اس کے علاوہ ہر مشروط اضافہ سود کے ضمن میں آتا ہے، اور سب ہی حرام ہیں، قرآنِ کریم میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ﴾ "اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے لئے صرف تمہارے اپنے مال حلال ہیں" (البقرۃ:۲۷۹)

امام بغویؒ اور قاضی ابن العربیؒ فرماتے ہیں:

"ربا عربوں میں ایک معروف چیز تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص کے ساتھ وقت مقررہ تک قرض کا کوئی معاملہ کرتا، مدت پوری ہونے پر مقروض مزید مہلت طلب کرتا تو اس کے عوض قرض کی مالیت میں اضافے کا وعدہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سود کو حرام کردیا"

(معالم التنزیل: ج۱، ص ۳۱۴/ احکام القرآن: ج۱، ص ۳۲۰، ۳۲۱)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرض دینے یا مال پر ہونے والا ہر ایک اضافہ حرام ہے چاہے وہ سود مفرد کی شکل میں ہو یا مرکب کی صورت۔ جہاں تک قرآنِ کریم کی آیت ﴿اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ سے

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

استدلال کا تعلق ہے تو واضح رہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں قرض دینے والوں کی عام عادت کا ذکر کیا جارہا ہے کہ عموماً قرض دینے والے سود در سود کی طرز پر قرض دیتے ہیں نہ کہ اس کو بطورِ شرط بیان کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر یہی اسلوبِ بیان موجود ہے جیساکہ سورۂ نور: ۳۳ میں ﴿وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ "اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو، اگر وہ پاکدامن رہنا چاہتی ہوں" میں "اگر وہ پاکدامن رہنا چاہتی ہوں" کا جملہ بطورِ شرط کے نہیں کیونکہ زنا زبردستی سے کروایا جائے یا مرضی سے، ہر دو کے قبیح جرم ہونے میں کوئی شبہ نہیں، قرآنِ کریم میں ہے: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ "زنا تو کھلی بے حیائی ہے، اس کے قریب بھی مت جاؤ، یہ برائی کا راستہ ہے" (الاسراء: ۳۲)

ربا کی تعریف میں بعض نکات کی طرف اشارہ

"معاہدۂ لین دین میں بغیر کسی حق کے حاصل کیے جانے والے مشروط اضافے" کو ربا کہا جاتا ہے

...... معاہدۂ لین دین کے ذریعے صرفی قرض کے سود کے ساتھ تجارت کے سود کو بھی شامل کیا گیا ہے کیونکہ قرآن مجید کی رو سے تجارتی سود بھی حرام ہے (دیکھیں ص ۵۵)

...... بغیر کسی حق سے مراد یہ ہے کہ مال میں اضافہ صرف کسی حق کی بنیاد پر لینا درست ہے۔ بعض لوگوں نے یہاں "بغیر عوض" کا لفظ بھی استعمال کیا ہے لیکن درحقیقت حق کا لفظ، عوض سے زیادہ جامع ہے کیونکہ کچھ لوگ مال میں اس اضافے کو وقت کا عوض قرار دیتے ہیں کہ "میں فلاں شخص کو اتنے وقت کے عوض مال دینے کی بنا پر مال میں اس قدر اضافہ کا تقاضا کرتا ہوں"۔ وقت کو عوض قرار دینے کا حیلہ درست نہیں کیونکہ معاوضہ صرف اسی شے کا درست ہے جس کا انسان مالک ہو اور وقت انسان کی ملکیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور اسلام کی نظر میں روشنی، ہوا، اور پانی کی طرح وقت بھی اللہ کی ایک عمومی نعمت ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم نے فرمایا:

لَا تسبُّوا الدَّهر فإن الله هو الدهر (صحیح مسلم: باب النهي عن سبّ الدهر)

"زمانے (وقت) کو گالی نہ دو، کیونکہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ زمانہ ہیں"

چنانچہ زرِ یا کسی بھی جنس کو صرف کچھ وقت کے عوض دینے پر اس میں اضافہ حاصل کرنا حرام ہے۔ کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کا معاوضہ لیا جاسکتا ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ چیز قابل استعمال ہو۔ اگر کوئی شے قابل استعمال نہیں تو اس کو صرف کچھ عرصہ دوسرے کے پاس رکھنے کے عوض فائدہ حاصل کرنا شریعت کی نگاہ میں حرام ہے۔ بظاہر یہ ایک بڑا باریک نکتہ ہے لیکن یہ سود کی حرمت کا اور اسلام کے اقتصادی نظام کا اہم ترین نکتہ ہے۔ اسی نکتہ کو سمجھ لینے سے سود اور کرائے میں جوہری فرق بھی واضح ہوجائے گا۔ بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ جس طرح مختلف اشیاء کا کرایہ لینا اسلام میں جائز ہے، اسی طرح سود بھی تو نقدی کا کرایہ ہی ہے کیونکہ اسلام اشیاء راجناس کے کرائے

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کو تو جائز قرار دیتا ہے اور نقدی کے کرائے کو حرام۔ ذیل میں اسی سوال کی وضاحت پیش کی جاتی ہے:

سود اور کرائے میں فرق

کرایہ وقت گزرنے کا نہیں بلکہ کسی شے سے استفادے کا ہوتا ہے: ہر شخص وہی سامان، جنس یا انسان کی مزدوری کرائے راجرت پر لیتا ہے جس سے اسے کچھ فائدہ اٹھانے کا امکان ہو۔ مثال کے طور پر بے کار گاڑی، بنجر زمین، ناقابل رہائش مکان کو کوئی شخص کرایہ پر نہیں لے گا نہ ہی بے ہنر اور نکمے آدمی کو اُجرت پر حاصل کرے گا۔ درحقیقت ہر شخص کرایہ شدہ یا اُجرت شدہ چیز کو کسی مفاد یا استعمال کے لئے حاصل کرتا ہے اور وقت کے ذریعے اس استفادے کی پیائش کرتا ہے۔ چنانچہ آجر اپنے فائدہ راستعمال کے عوض کرایہ راجرت ادا کرتا ہے نہ کہ وقت کے عوض۔ وقت صرف پیائش کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سارا دن کام کے بجائے فارغ بیٹھ رہنے والے آدمی کو دیہاڑی کی اُجرت نہیں دی جاتی۔ اسی طرح اگر کوئی اوزار یا آلہ کرائے پر حاصل کیا جائے اور وہ کسی خرابی کی بنا پر کام نہ کرے تو اگلے دن اَوزار کے مالک کو یہ کہا جاتا ہے (جس کا مشاہدہ ہمیں آئے روز ہوتا رہتا ہے) کہ "اس آلہ نے کام نہیں کیا" جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں اس کے کرائے کا پابند نہیں اور ہمیں علم ہے کہ اس امر کی جانچ پڑتال کے بعد اگر واقعتاً وہ آلہ کام کے قابل نہ ہو تو اس کا مالک کرایہ وصول نہیں کرتا۔ اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ کرایہ راُجرت وقت کے عوض نہیں بلکہ فائدہ کے عوض ہوتی ہے۔ اور جو شے بے فائدہ ہو اس کا کرایہ نہیں ہوتا جبکہ سود کی صورت میں قرض دینے والا اپنے زَر کو کچھ عرصہ دینے کے عوض فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے سود اور کرائے میں فرق نکات وار درج کئے جاتے ہیں:

(۱) روپیہ بذاتِ خود قابل استعمال شے نہیں جبکہ باقی اَجناس قابل استعمال ہوتی ہیں۔ روپیہ اپنی اصل حیثیت میں رہتے ہوئے کوئی فائدہ دینے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا، نہ اسے کھایا جاسکتا ہے، نہ پہنا جاسکتا ہے اور نہ اس میں رہائش رکھی جاسکتی ہے۔ کرنسی کا تو ایک ہی مصرف ہے کہ اس سے کچھ خریدا جائے اور اس خریدی ہوئی چیز سے استفادہ کیا جائے۔ غرض کرنسی کا بنیادی وظیفہ قابل فائدہ ہونا نہیں بلکہ مفید شے کو خریدنے کی صلاحیت رکھنا ہے۔[۳] چنانچہ بالفرض اگر سونا چاندی کی صورت میں کرنسی

---

(۳) جب میں نے ابتدا میں اس دعویٰ پر غور کیا تو ذہن نے فوری طور پر اسے قبول نہ کیا کیونکہ یہ کہنا بڑی عجیب سی بات ہے کہ کرنسی بے فائدہ چیز ہے۔ ہمارا روزمرہ کا تجربہ ہے کہ بیسیوں خواہشات کی تکمیل صرف نقدی کی ہی محتاج ہوتی ہے۔ لیکن جب اس نکتہ پر غور کرتا گیا تو بات کھلتی گئی۔ آپ بھی اس مثال سے اس کو سمجھ سکتے ہیں: فرض کریں کہ ایک شخص کسی ویرانے یا جزیرے میں اکیلا جا پہنچتا ہے۔ اور اسے چند دن وہاں گزارنے ضروری ہیں۔ اس شخص کے پاس سوئے اتفاق سے کوئی جنس تو موجود نہیں لیکن ایک لاکھ ڈالر موجود ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ایک لاکھ ڈالر اس کو کیا فائدہ دے سکتے ہیں۔ کیا وہ انہیں کھا سکتا ہے یا ان میں حفاظت رپناہ لے سکتا ہے یا ان کی کشتی رسواری بنا کر اس جگہ سے جلد چھٹکارا

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

زیور کی شکل میں آجائے تو زیور سے چونکہ (زیب و زینت کا) فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے، اس لئے زیور کا کرایہ درست ہوگا۔ مزید وضاحت کے لئے ہمیں کرنسی رمال کے بنیادی وظائف کو سامنے رکھنا ہوگا۔ بنیادی طور پر نقد تین مقاصد کے لئے رواج پایا اور ارتقائی شکل اختیارات کرتے کرتے موجودہ کرنسی کی شکل کو پہنچا۔ کرنسی کا تمام ارتقاء بھی انہی تین نکات کے گرد گھومتا ہے:

(i) کسی شے کی حقیقی قدر کے تعین کے لئے

(ii) درمیانی واسطہ کے طور پر: مختلف اجناس میں تبادلہ ہر وقت ممکن نہیں ہوتا، ہر ہر شخص کو اپنی مطلوبہ جنس وقت پر بآسانی میسر نہیں آتی، ایک درمیانی ذریعہ رواسطہ ضروری تھا کہ اس کی مدد لیکر اپنی چیز کو فروخت کرکے معاشرہ کی ضروریات کے مجموعی حجم میں شامل کیا جائے اور اس کی قیمت وصول کرلی جائے اور اس قیمت کے ذریعے اپنی مطلوبہ جنس سے ضرورت پوری کرلی جائے۔

(iii) کرنسی کے لئے محفوظ ہونے اور آسان نقل و حمل کی صلاحیت رکھنا بھی ضروری تھا کیونکہ انسانوں کی ضروریات ایک مخصوص علاقہ میں پوری نہیں ہوتیں، بعض علاقے اگر اچھی فصلیں پیدا کرتے ہیں تو دوسرے مقامات پر بہتر ہنرمند رکاریگر دستیاب ہیں۔ چنانچہ اجناس کو محفوظ صورت میں منتقل کرنے اور آزادانہ نقل و حمل میں آسانی کیلئے کرنسی کا نظام وجود میں آیا۔ (پال اے سیموئل سن)

ان تین مقاصد کے علاوہ کرنسی کا کوئی چوتھا مقصد ابھی تک انسانی شعور نے قبول نہیں کیا۔ گو کہ سرمایہ دارانہ نظام نے اپنے چار بنیادی ذرائع پیداوار میں مال رکرنسی کو شامل کرکے اس کو ذریعہ پیداوار بنایا اور اس کا حاصل سود[۴] کو قرار دیا ہے لیکن یہی سرمایہ دارانہ نظام میں مالیاتی طبقاتی تقسیم کی بنیاد ہے اور آج تک سلیم الذہن انسان اس کو قبول نہیں کرسکے۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ آیا رقم رکرنسی بذات خود عامل پیداوار ہے یا نہیں؟ علم معاشیات کی رو سے بھی زر کے بنیادی وظائف میں یہ بات شامل نہیں جیسا کہ معروف ماہر معاشیات پال اے سیموئل سن نے کرنسی کا ذریعہ پیداوار ہونا تسلیم نہیں کیا۔ اور اسلام کی نظر میں بھی کسی جنس رقابل استعمال شے کا تو کرایہ لیا جاسکتا ہے جبکہ اشیاء کے حصول کے ایک وسیلہ (زر) کا کرایہ لینا درست نہیں۔ کیونکہ کرایہ استفادے کا لیا جائے نہ کہ صرف وقت گزرنے کا! ...... معروف فلسفی ارسطو اپنی کتاب

پاسکتا ہے۔ اس امر پر غور کریں تو یہ بات کھل جائے گی۔ دراصل کرنسی کو ہمارے موجودہ معاشرتی سسٹم نے ایک اہمیت رافادیت دے رکھی ہے اور اشیاء کے حصول کا وسیلہ بنا رکھا ہے۔ کرنسی اپنی ذات کے اعتبار سے قابل فائدہ نہیں اور یہی ہمارا موقف ہے۔ جو شے اپنی بنیاد کے اعتبار سے قابل فائدہ نہ ہو، اس سے کرایہ کا فائدہ اٹھانا درست نہیں۔ ضروری ہے کہ کسی قابل فائدہ جنس میں تبدیل کرکے اس سے کرایہ کا فائدہ حاصل کیا جائے۔ اس طرح اس کرنسی کا اس قدر ہی کرایہ لیا جاسکے گا جس قدر کرنسی سے متبدل جنس کی حیثیت ہے۔ کیونکہ زر فی ذاتہ کچھ نہیں، اسکا اعتبار اپنی قوت تبدیل کی بنا پر ہے

(۴) سرمایہ دارنہ نظام میں ذرائع پیداوار چار ہیں: زمین، محنت، سرمایہ اور انتظام جس کے حاصل بالترتیب کرایہ، اُجرت سود اور منافع ہیں۔ اس نظام میں روپے کو ذریعہ پیداوار تسلیم کرکے سود کو اس کا حاصل قرار دیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

السیاسۃ میں لکھتا ہے:

"پیسہ فطری طور پر بنجر ہے۔ اور پیسے کا پیسے کو جنم دینا ایک بالکل غیر فطری عمل ہے۔ لہٰذا پیسے پر سود وصول کرنا قابل تحقیر ہے...... پیسے کا بنیادی مقصد تبادلہ اشیاء ہے نہ کہ سود کے ذریعے بڑھنا۔ سود میں نقد کو استعمال کی شے بنایا جاتا ہے جو اس کی طبیعت کے خلاف ہے، نقد اس لئے وجود میں لایا گیا ہے کہ وہ مبادلے کا ذریعہ بنے۔" (بحوث فی الربا از ابوزہرہ مصری)

بعض علماء نے اس لیے سود اور کرائے میں یہ فرق کیا ہے کہ سود کی صورت میں کرایہ شدہ زر کی ماہیت میں تبدیلی لانا ضروری ہے جس کے بغیر زر سے فائدہ ہی نہیں اٹھایا جا سکتا۔ جبکہ کرایہ کی دوسری صورتوں میں اس کرایہ شدہ جنس میں تبدیلی لانا ضروری نہیں ہوتا۔

(۲) قابل استفادہ چیز کے بارے میں یہ بھی اصول ہے کہ وہ استعمال سے کم ہوتی ہے۔ چنانچہ قابل کاشت زمین، سواریاں، رہائش، مشینری میں استعمال کے بعد نقص واقع ہوتا، جن کی تکمیل ان کا مالک حاصل شدہ فائدے سے کرتا ہے۔ اس طرح جاندار سے کام کروانے کی صورت میں بھی اس کو اپنا خونِ جگر جلانا پڑتا ہے اور اپنی ضائع شدہ توانائی کی خوراک اور جسمانی آرام کے ذریعے تلافی کرنا پڑتی ہے۔

چنانچہ حدیث نبویؐ میں ہے: في كل ذات كبد رطبة أجر

"ہر تر جگر والے کی محنت کا اَجر (بدلہ) ہے" (صحیح بخاری: حدیث نمبر ۲۴۶۶)

بعض لوگ قابل کاشت زمین کے بارے میں اعتراض کرتے ہیں کہ ان میں کیا کمی واقع ہوتی ہے۔ تحقیق کی رو سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ فصل کے ساتھ زمین کی پیداواری صلاحیت میں بھی کمی ہوتی رہتی ہے[۵] جبکہ کرنسی چونکہ خود قابل استعمال شے نہیں، اس لیے اسے اپنی مکمل صورت میں ہی قرض دینے والا واپس حاصل کر لیتا ہے۔ جس کا اسے کوئی عوض بھی نہیں دینا پڑتا۔

(۳) کرایہ کی صورت میں کرایہ دار مالکانہ حقوق نہیں بلکہ استفادے کے حقوق رکھتا ہے۔ اور ملکیت اصل مالک سے منسلک رکھتی ہے۔ جبکہ مال کو کرائے پر دینے کی صورت میں ملکیت میں تبدیلی ہونا لازمی اَمر ہے۔ کیونکہ سود کی صورت میں قرضدار کرنسی میں کلی تصرف کا اختیار رکھتا ہے اور ایک مخصوص عرصے کے بعد ہی وہ کرنسی کی ادائیگی کا پابند ہوتا ہے۔ جبکہ کرایہ کی دوسری صورتوں میں کرایہ شدہ شے کی ملکیت اصل مالک سے منسلک رہتی ہے۔ اور کرایہ دار اس شے میں کلی تصرف یا ہر قسم کی تبدیلی کا مجاز نہیں ہوتا۔ ...... اس اعتبار سے درج ذیل نکات اس بحث سے نکلتے ہیں:

(۱) اسلام کی رو سے سرمایہ ذریعہ پیداوار نہیں۔

(۲) وقت کی اُجرت لینا حرام ہے کیونکہ اللہ کی دوسری نعمتوں روشنی اور ہوا کی طرح یہ بھی ایک عمومی

---

(۵) جدید زرعی تحقیقات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ کسی زمین میں مسلسل ایک ہی فصل کی پیداوار اس میں مخصوص نمکیات کی قلت پیدا کر دیتی ہے چنانچہ اس کی تلافی کے لئے ماہرین زراعت وہاں ایسی فصلوں کو تجویز کرتے ہیں جن کے ذریعے کم ہونے والے نمکیات کو دوبارہ پیدا کیا جاتا ہے۔ انہی مقاصد کے لئے کھادوں اور زرعی دوائیوں کو بھی استعمال میں لایا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین میں بھی استعمال سے کمی واقع ہوتی ہے لیکن اس کمی کے تناسب میں فرق ضرور ممکن ہے۔

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

نعمت ہے جس میں سب بغیر کسی معاوضے کے شریک ہیں۔

(۳) کرایہ راجرت کسی قابل فائدہ شے کا ہوتا ہے، چاہے وہ بے جان چیز سے فائدہ ہو یا جاندار سے!

(۴) فائدہ اٹھانے کے عوض شے میں کمی واقع ہوتی ہے جس کے تلافی کے لیے کرایہ، اجرت حاصل کی جاتی ہے۔ (کرائے اور اجرت میں تلافی کے علاوہ نفع کا پہلو بھی موجود ہوتا ہے)

(۵) سرمائے سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس کی ماہیت بدلنا ضروری ہے۔

(۶) کرایہ میں مالکانہ حقوق مالک کے پاس رہتے ہیں جبکہ سود میں قرضدار مال میں آزادانہ تصرف کا اختیار رکھتا ہے۔

(۷) علم معاشیات کی رو سے بھی کرنسی کے وظائف رمقاصد میں ذریعہ پیداوار ہونا شامل نہیں۔

اس بحث سے اس سوال کا جواب باسانی مل سکتا ہے کہ اسلام نے کرایہ کو کیوں جائز قرار دیا ہے اور سود کو کیوں حرام؟ اور ہر دو میں کون سے وہ بنیادی فرق ہیں جن کا شریعت نے لحاظ رکھا ہے......

ربا الفضل

قرض پر سود (ربا النسیئۃ) تو ربا کی وہ معروف صورت ہے جس میں قرض پر کوئی مشروط اضافہ حاصل کیا جاتا ہے۔ یہی وہ صورت ہے جو اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب، معاشروں اور دانشوروں کے ہاں زمانہ قدیم سے حرام سمجھی جاتی رہی ہے۔ یہ ربا کی واضح ترین صورت ہے جبکہ شریعت محمدیؐ نے ربا کی ایک اور صورت بھی متعارف کرائی ہے جسے ربا الفضل کہا جاتا ہے۔ ربا الفضل کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: (بروایت حضرت ابو سعید خدریؓ) (صحیح مسلم: حدیث نمبر ۱۵۸۴)

"سونا سونا کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے (ان کا سودا) برابر برابر اور نقد و نقد کرنا جائز ہے۔ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا تو اس نے سودی معاملہ کیا۔ لینے اور دینے والا اس میں برابر ہیں"

ذخیرۂ احادیث میں ربا کی پہلی صورت یعنی ربا النسیئۃ کے حوالے سے تقریباً ڈیڑھ سو احادیث ملتی ہیں جبکہ ربا الفضل کے بارے میں آنے والی احادیث کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے، جس میں اس کی مختلف صورتوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس اعتبار سے یہ احادیث متواتر کا درجہ رکھتی ہیں، یاد رہے کہ متواتر حدیث کسی شرعی حکم کو ثابت کرنے میں علماء کے متفقہ موقف کے مطابق قرآن کی طرح ہی قطعی ہوتی ہے۔

ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ بالا مخصوص اَجناس کا اسی جنس سے سودا کیا جائے تو دو شرطیں ملحوظ رکھنا ضروری ہیں:

(۱) سودا نقد و نقد ہو۔ یعنی ادھار کی صورت میں نہیں بلکہ ہاتھوں ہاتھ ہونا ضروری ہے۔

(۲) دونوں اَجناس کے وزن میں بھی برابری ضروری ہے۔

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

☆ اگر ان اجناس میں ایک جنس کا غیر جنس سے سودا ہو تو تب وزن میں کمی و بیشی تو ہو سکتی ہے لیکن نقد ہونا ضروری ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يدا بيد"

"پھر اگر جنس مختلف ہو جائے تو جیسے چاہو لین دین کر لو، بشرطیکہ یہ تبادلہ دست بدست یعنی نقد و نقد ہو" (صحیح مسلم: حدیث ۱۹۷۰)

اگر دونوں میں سے ایک شرط بھی ساقط ہو جائے تو یہ سود کا معاملہ ہوگا اور سود کی مذمت میں وارد جملہ مناہی کی زد اس پر پڑے گی۔ بعض احادیث میں چاندی کی جگہ ورق (چاندی کا سکہ) اور بعض احادیث میں منقیٰ (ساتویں جنس) کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ اسی طرح بعض روایات میں طعام کا لفظ بھی آیا ہے۔

کیا ربا الفضل صرف چھ اجناس میں حرام ہے؟: اس بارے میں فقہاء میں اختلاف ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ ۸۶) اگر بنظر عمیق ان اجناس کا جائزہ لیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں دو جنسیں (سونا چاندی) تو وہ ہیں جو عموماً ثمن کی بنیاد ہوتی ہیں اور باقی تین اجناس (گندم، کھجور، جو اور بعض احادیث کے مطابق منقیٰ) وہ ہیں جو قوت یعنی مختلف معاشروں میں خوراک کی بنیاد سمجھی جاتی ہیں۔ جبکہ چھٹی جنس (نمک) وہ ہے جو خوراک کو جزوِ بدن بناتا ہے۔ اس اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان اجناس میں ثمن اور قوت ہونے کا عنصر حاوی ہے۔ خوراک ہونے کے غالب عنصر ہونے کو ہی بعض احادیث میں طعام کے مطلق لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بیع میں نقد و نقد اور برابر برابر ہونے کی شرط لگا کر دراصل شریعت ان بنیادی ضرورت کی اجناس کی دستیابی کو آسان تر کرنا چاہتی ہے۔ یعنی ان کو حاصل کرنے میں نوعِ انسانی کو زیادہ مشکلات اور خرید و فروخت کی پیچیدگیوں کا سامنا نہ کرنا پڑے اور ان کے سودے کی حدود پہلے ہی معین کر دی جائیں۔ شریعت کی یہی حکمت اس حدیث سے بھی واضح ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"المسلمون شركاء في ثلاث: الماء والنار والكلأ" (ابوداود: باب فی منع الماء)

"مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، آگ اور گھاس"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی بہت سے بنیادی ضرورت کی چیزوں میں اگر کسی کے پاس فالتو شے ہو تو اسے تجارت کا ذریعہ نہ بنائے بلکہ بنیادی ضرورت کی حد تک اسے دوسرے کا حق سمجھے۔

ربا الفضل کے حرام ہونے کی حکمتیں:

(۱) الغرض ربا الفضل صرف مخصوص اشیاء میں ہی حرام ہے اور وہ مخصوص اشیاء (جن کی شریعت نے حد بندی کر دی ہے) وہ ہیں جو غالباً ثمن یا قوت کی بنیاد ہوتی ہیں۔ اور شریعت اس پابندی کے ذریعے ایسی اشیاء کی خرید و فروخت میں آسانی پیدا کرنا چاہتی ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ربا الفضل فی نفسہٖ بھی حرام ہے۔ جیسا کہ نبی کریم نے اس کو عین سود سے تعبیر کیا ہے۔ دیکھئے گذشتہ صفحے پر حدیث مسلم اور اگلے صفحہ پر حدیث ابی سعید میں خط کشیدہ الفاظ)

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

(۲) حضرت عمر فاروقؓ ان چھ اَجناس میں دو شرطوں کے ضروری ہونے کی یہ حکمت بھی قرار دیتے ہیں کہ "تم اس کے ذریعے اصل سود میں مبتلا نہ ہو جاؤ" چنانچہ شاہ ولی اللہؒ، حافظ ابن قیمؒ اور امام شاطبیؒ وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ "ربا الفضل کے حرام ہونے کی حکمت، دراصل حقیقی ربا کا راستہ بند کرنا ہے"

(۳) عقلی طور پر یہ بات بڑی عجیب سی لگتی ہے کہ اعلیٰ قسم کی گندم کو کمتر درجہ کی گندم کے ساتھ برابر وزن میں ہی بیچا جائے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ سے بھی صحابہ نے یہ سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کا حل یہ ہے کہ ان کو پہلے درہم دینار کے عوض بیچ لیا جائے اور اس درہم و دینار کے عوض مطلوبہ گندم کی زیادہ یا کم مقدار حاصل کر لی جائے۔ اس سلسلے میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہماری رہنمائی کرتی ہے : (صحیح بخاری، کتاب البیوع)

"حضرت بلالؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس برنی کھجور (اعلیٰ قسم) لائے۔ آپؐ نے پوچھا: کہاں سے لائے؟ کہا: ہمارے پاس ناکارہ کھجوریں تھیں، تو میں نے ایک صاع کے بدلے دو صاع کے حساب سے بیچ دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو خالص سود ہے، یہ تو خالص سود ہے۔ ایسا مت کرو، ہاں جب ایسا ارادہ ہو تو اپنی کھجور الگ بیچو اور اس رقم سے دوسری کھجور خرید لو"

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت ان بنیادی ضرورت کی اشیاء میں بالکل کھرے اور واضح لین دین کو رواج دینا چاہتی ہے یعنی اگر کسی جنس کو مال سے بیچ کر دوسری جنس کو خریدا جائے گا تو اس سے ہر دو کی حقیقی قدر کا تعین ہو جائے گا اور کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہ رہے گی۔ کیونکہ کرنسی کا بنیادی وظیفہ یہ بھی ہے کہ وہ مال کی حقیقی قدر کا تعین کر دیتی ہے اور ایک جنس کے سودے میں اس کی قدر کا واضح تعین اور شک و شبہ کا کلی اِنسداد دراصل اس جنس کی خرید و فروخت میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔ خرید و فروخت میں آسانی کا لازمی نتیجہ ان اَجناس کی آزادانہ اور وسیع تر خرید و فروخت میں نکلے گا۔

کیا ربا صرف اُدھار میں ہی ہوتا ہے؟ اوپر بیان کردہ بحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ربا الفضل بھی سود کے زمرے میں شامل ہے۔ احادیث نبویہ میں واضح الفاظ میں اس کو ربا شمار کیا گیا ہے (دیکھیں مذکورہ بالا حدیث میں خط کشیدہ الفاظ)۔ آئندہ صفحات میں ہم واضح کریں گے کہ ربا الفضل کی زد میں کون کون سے سودی لین دین آتے ہیں...... عام طور پر جن دلائل کے ذریعے ربا کو صرف ادھار کے سود تک محدود کیا جاتا ہے، ذیل میں ان کی وضاحت پیش کی جاتی ہے:

(۱) عام طور پر ربا کی تعریف كلّ قرض جرّ منفعة فهو ربا (ہر ایسا قرض جو نفع کو لائے) کے الفاظ سے کی جاتی ہے اور انہیں حدیث نبوی باور کرایا جاتا ہے جبکہ اس کی سند میں سوار بن مصعب نامی راوی ضعیف ہے۔ اس حدیث کی دیگر شواہد روایات بھی موجود ہیں جن کا جائزہ لینے پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے الفاظ نہیں بلکہ محمد بن سیرینؒ تابعی کا قول ہے یعنی حدیثِ مقطوع۔ اسی طرح بعض صحابہ مثلاً فضالہ بن عبیدہ سے بھی اسی سے ملتے جلتے الفاظ مروی ہیں۔ چنانچہ اس کو زیادہ سے زیادہ صحابی کا قول کہا جاسکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

یہ تو اس حدیث کے فرمان نبوی ہونے کی حقیقت ہے جہاں تک اس کے مفہوم کا تعلق ہے تو یہ ربا کی مکمل تعریف نہیں بلکہ ربا کے ایک حصے صرف قرض کے سود تک محدود ہے۔

(۲) اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے قول لاَ رِبَا اِلاَّ فِيْ النَّسِيْئَةِ (بخاری: ج۱ ص۱۴۸) سے بھی یہ مغالطہ دیا جاتا ہے کہ آپؓ صرف بصورتِ ادھار سود کے قائل تھے۔ جبکہ عربی زبان میں ایسا اسلوب بیان معنی میں قوت پیدا کرنے کے لئے اور بیان کردہ امر کو اہمیت دینے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلاَّ رَسُوْلٌ﴾ محمد ﷺ صرف اللہ کے رسول ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگرچہ آپ کی بہت صفات ہیں لیکن آپ کی صفتِ رسالت کا تسلیم کرنا ہی ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کے قول کا مطلب بھی یہ ہے کہ عموماً ادھار کی بنا پر لین دین میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ بعض روایات کی رو سے حضرت ابن عباس پہلے صرف ادھار سود کے قائل تھے پھر انہوں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے مذکورہ بالا حدیث سننے پر ربا الفضل کی حرمت بھی تسلیم کرلی اور اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا۔ (معجم کبریٰ طبرانی: ج۱ ص ۲۷،۲۸/ اضواء البیان: ج۱، ص۲۹۵ تا ۳۰۹)

ان الفاظ کل قرض جرّ منفعة فهو ربا اور لا ربا إلا في النسيئة والی حدیث موقوف پر بنیادی اعتراض یہی وارد ہوتا ہے کہ ان دونوں میں ربا کی صرف ایک قسم یعنی ربا النسيئة یا صرف قرض پر سود کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اگر ان کو ربا کی تعریف تسلیم کر لیا جائے تو ربا الفضل ان کے دائرے میں شامل نہیں ہوتا (نہ ہی تجارتی سود اس کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ قرض کا لفظ صرف ذاتی مقاصد کے لئے حاصل کئے جانے والے اُدھار کے لئے مخصوص ہے)۔ جب کہ نبی اکرم کے فرمان کے بموجب ربا الفضل بھی ربا میں شامل ہے...... واضح رہے کہ علماءِ امت میں ان چھ اَجناس میں دو شرطوں کو ملحوظ رکھے بغیر لین دین کو ربا الفضل سمجھتے ہوئے حرام ہونے پر اتفاق رہا ہے۔

ہمیں ربا الفضل کو ربا کی تعریف اور مباحث میں شامل کرنے پر اس لئے اصرار ہے کہ اس کے بغیر ربا کا دائرہ بہت محدود ہو جاتا ہے جبکہ شریعت میں اس کا دائرہ کار وسیع اور اس کی ممنوعیت کی حکمتیں بہت زیادہ ہیں۔ جس میں ایک طرف ضرورت کی بنیادی اشیاء کی آسان اور سادہ بیع کی ترویج شامل ہے تو دوسری طرف ثمن یعنی کرنسی کے لین دین بھی اس میں شامل ہیں۔ ربا الفضل کو شامل کرنے سے تجارتی سود لازماً ممنوعہ سود میں شامل ہو جاتا ہے کہ ربا الفضل کا تعلق ہی بیوع یعنی کاروبار سے ہے۔ وہ لوگ جو ربا الفضل سے جان چھڑانا چاہتے ہیں، دراصل وہ اس طرح تجارتی سود کو سند جواز بخشنے کی سعئ نا مشکور کا ارتکاب کرتے ہیں۔

بعض لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ربا النسيئة (ادھار کا سود) تو ربا القرآن ہے۔ جبکہ ربا الفضل، ربا الحدیث ہے کیونکہ قرآن کریم میں صرف ادھار پر سود کی حرمت موجود ہے اور ربا الفضل کی ممانعت

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

صرف حدیث میں آئی ہے۔

یہ دعویٰ حقیقت پر مبنی نہیں کیونکہ قرآن کریم میں ہر دو کی بنیادیں موجود ہیں، اسی طرح ربا النسیئۃ جس کو یہ لوگ رباالقرآن کہتے ہیں، کے بارے میں ڈیڑھ سو احادیث ملتی ہیں۔ قرآن کریم تو ہر قسم کے سود کو حرام قرار دیتا ہے جس میں صرفی (ذاتی ضرورت کے لئے) سود کے ساتھ ساتھ تجارتی سود بھی شامل ہے (دیکھئے ص ۵۵)۔ اسی طرح ربا الفضل میں بھی پہلی شرط یعنی نقد و نقد ہونے کی شرط ربا النسیئۃ کی قبیل سے ہے اور برابر وزن ہونے کی شرط ربا الفضل کی بنیاد پر۔ شریعت قرآن اور حدیث ہر دو میں پھیلی ہوئی ہے اور دونوں ایک دوسرے کی تکمیل و توضیح کرتے ہیں۔ چنانچہ اس طرح کے دعوے صرف من مانی تاویلوں کی گنجائش نکالنے اور سود کے چور دروازے تلاش کرنے کے مترادف ہیں۔ علماء قرآن اور حدیث دونوں کو شرعی حکم کے ثابت کرنے میں برابر کا درجہ دیتے ہیں کیونکہ دونوں ہی شریعت اور وحی الٰہی ہیں۔ بالخصوص اس وقت جبکہ کوئی حدیث نبوی متواتر کے درجے کو پہنچ جائے تو وہ شرعی حکم کے ثبوت میں قرآن کا سا درجہ رکھتی ہے اور قطعی الثبوت ہوتی ہے، جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

تجارتی سود (کمرشل انٹرسٹ)

بعض دین بیزار لوگ جب شریعت میں سود کی اس قدر شدید حرمت اور مذمت پاتے ہیں تو عموماً درج ذیل اعتراضات کے ذریعے سود کے بارے میں شبہات پیدا کرتے ہیں:

(۱) اسلام نے زیادہ شرح سود کو حرام کیا ہے جس میں قرض لینے والے پر ظلم ہوتا ہے، جبکہ مناسب شرح سود (Interest) کو جائز قرار دیا ہے۔

یہ شبہ تو وہ لوگ پیدا کرتے ہیں جن کے ذہن پر مغرب کی اندھی تقلید کا بھوت سوار ہے۔ چونکہ وہ سود کے بارے میں اہل مغرب کا طرزِ عمل یہی دیکھتے ہیں، اس لئے اسلام سے بھی اس کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، جبکہ اسلام میں زیادہ اور کم شرح سود کے حرام ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ اس شبہ کی وضاحت تفصیل سے پیچھے گزر چکی ہے (دیکھیں ص ۴۴)

(۲) بعض لوگ کہتے ہیں کہ عرب میں تجارتی سود کا وجود نہ تھا، صرف ذاتی حاجات کے لئے قرضے لئے جاتے تھے، اس لئے شریعت میں بھی انہیں ہی حرام کیا گیا ہے اسی طرح موجودہ بنکنگ کا نظام وغیرہ بھی جدید دور کی پیداوار ہے، اسلام میں بنکوں سے لئے جانے والے قرضوں کی حرمت کا کیسے ذکر ہو سکتا ہے؟

(۳) قرآن کریم میں صرف ذاتی حاجات کیلئے حاصل کئے جانیوالے قرضے پر سود کی حرمت موجود ہے

اُصولی طور پر یہ اعتراضات ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ سب میں قدرِ مشترک یہی ہے کہ

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کسی بہانے سے سود کی بعض صورتوں کو حلال کر لیا جائے اور اپنے ضمیر کے علاوہ دوسرے سادہ لوح مسلمانوں کو بھی دھوکہ دے کر سودی لین دین کو رواج دے دیا جائے۔

(۱) کیا قرآنِ کریم میں تجارتی سود کا تذکرہ موجود نہیں؟

قرآن کریم میں سورۂ بقرہ (جہاں تفصیل سے سود کے بارے میں آیات موجود ہیں) میں صدقات کی آیات کے فوراً بعد سود کی حرمت اور مذمت والی آیات لائی گئی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم صدقات کے بعد سود کی حرمت ذکر کر کے قرض لینے والے کی ضرورت کو صدقات سے پورا کرنے کی ترغیب دے رہا ہے۔ شبہ یہ پیدا کیا جاتا ہے کہ سود کے بالمقابل صدقات کی ترویج کا مطلب یہ ہے کہ صرف وہی سود حرام ہے جو ذاتی حاجات کے لئے لیا جائے کیونکہ صدقات فقراء کی ذاتی ضروریات کی تکمیل کے لئے ہی دیئے جاتے ہیں۔

یہ اِستدلال درست نہیں کیونکہ قرآن کریم میں ایک طرف ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَ يُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾ (اللہ سود کو مٹاتا اور صدقات کی پرورش کرتا ہے) میں سود کے خاتمہ کے لئے صرفی قرضوں کا حل صدقات تجویز کیا گیا ہے تو دوسری طرف ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام) کے ذریعے ربا کو تجارتی معاہدوں کے بالمقابل بھی پیش کیا گیا ہے

یہی وجہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں آیاتِ سود سے پہلے اگر صدقات کی ترغیب موجود ہے تو آیاتِ سود کے فوراً بعد تجارتی قرضوں کے تفصیلی اَحکام پر مبنی ایک پورا رکوع بھی موجود ہے۔ جو ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ﴾ (اے مسلمانو! جب تم تجارتی قرضے دینے لگو تو اسے لکھ لیا کرو) سے شروع ہو کر ان آیات پر ختم ہوتا ہے کہ ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْتُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ "جو تم اپنے اندر چھپاتے ہو یا اسے ظاہر کرتے ہو، اللہ سب کا خوب حساب لینے والا ہے"

اس آخری آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ سود خوروں کو یہ تنبیہ فرما رہے ہیں کہ "سود خوری کے لئے حیلے، بہانے تلاش نہ کرو، تمہیں علم ہونا چاہئے کہ اللہ دلوں کے بھید خوب جانتا ہے وہ روزِ قیامت ظاہری طرزِ عمل کے ساتھ ساتھ دلوں کے بھید اور پوشیدہ اغراض کا بھی خوب حساب لے گا۔ اس لئے خلوصِ دل کے ساتھ سود سے اجتناب کرو"

چنانچہ آیاتِ سود کے متصل رکوع میں تجارت کے اَحکام موجود ہیں۔ اس کے لئے یہ نکات پیش نظر رہنا چاہئیں:

(i) قرض اور دَین کا لفظ عموماً مترادف سمجھا جاتا ہے جبکہ عربی زبان میں ان دونوں میں فرق ہے۔ قرض اس اُدھار پر بولا جاتا ہے جو ذاتی / صرفی مقاصد کے لئے لیا جائے۔ جبکہ دَین کا لفظ ذاتی اور تجارتی ہر دو قسم کے قرضوں پر بولا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے قرض اور دین میں عام و خاص کی نسبت ہے۔ قرض خاص ہے اور دین عام (مترادفات القرآن از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، ص ۶۲۸)

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

دَین کا درست ترجمہ ذمہ داری یا انگریزی میں Liability (ادائیگی کی ذمہ داری) ہوگا جس میں کاروباری قرضے بھی شامل ہوتے ہیں۔

(ii) حضرت ابن عباسؓ ﴿إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ (البقرہ:۱۸۲) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "یہ آیت خصوصی طور پر بیع سَلَم کے بارے میں اتری ہے (طبری: ج۳، ص۱۱۶)

قرآنِ کریم اللہ جل شانہ کا کلام ہے اور اس میں ایک ایک لفظ بڑی معنویت کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے قرآنِ کریم کے اندازِ بیان، محاورہ اور الفاظ کے باریک تر انتخاب سے بھی استدلال کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اس آیت میں قرض کی بجائے دین کا لفظ استعمال کرنا بڑی معنویت رکھتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اس رکوع کو صرفی قرضوں تک محدود کرنا قطعاً غیر درست ہے۔ بلکہ اس میں تجارتی و صرفی ہر دو قسم کے قرضوں کا بیان اور اَحکام موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے اس کو بیع سَلَم کے بارے میں مخصوص کیا ہے اور ہمیں علم ہے کہ عربی زبان میں بیع تجارتی لین دین کو ہی کہا جاتا ہے۔

(iii) سورۂ بقرہ کی اسی آیت ۱۸۲ میں اَمانت کے اَحکام کا تذکرہ بھی موجود ہے اور کچھ شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اَمانت سے تجارت کرنے کا ثبوت صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل سے ملتا ہے، اِس سے بھی معلوم ہوا کہ اس آیت کے احکامِ تجارت کو بھی شامل ہیں۔ حضرت زبیرؓ بن عوام کا طرزِ عمل اس حدیث میں موجود ہے:

> "حضرت زبیر بن عوامؓ کے پاس لوگ بڑی بڑی رقمیں امانت کے لئے رکھا کرتے تھے۔ مگر وہ کہتے کہ میں اَمانت نہیں بلکہ قرض لیتا ہوں جس سے میں تجارت کروں گا۔ چنانچہ ان کی شہادت کے بعد جب ان کے بیٹے نے حساب کیا تو یہ تجارتی قرضے (اَمانتیں) ۲۲ لاکھ درہم تھے جو ان کی جائیداد سے ادا کیے گئے۔" (بخاری: کتاب الجهاد، باب برکۃ الغازی فی مالہ)

<u>قرآنِ کریم میں تجارتی سود کی حرمت کے مزید دلائل</u> یہ ہیں:

(۱) سورۃ البقرہ کی آیت ۲۷۹ میں اللہ تعالیٰ سود خوروں سے اعلانِ جنگ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ﴾

"اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے لئے صرف تمہارے رأس المال (سرمایہ / اصل مال) حلال ہیں"

جیسا کہ ہم ذکر کرچکے ہیں کہ قرآنِ کریم میں الفاظ کا انتخاب بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ میں اصل مال کے لئے جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ حقیقی یا ذاتی مال کے بجائے رأس المال (Capital Investment) کا لفظ ہے اور ہم جانتے ہیں کہ رأس المال تجارت کی اصطلاح ہے۔ تجارت میں شامل کیے جانے والے اصل مال کو جس کے ذریعے مزید منافع کمانا مقصود ہوتا ہے، رأس المال کہا جاتا ہے۔

(۲) سورۂ روم کی آیت نمبر ۳۹ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

﴿وَمَا اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ﴾
"اور جو سودی قرض تم اس لئے دیتے ہو کہ دوسرے کے مال میں پروان چڑھے تو وہ اللہ کے ہاں پروان نہیں چڑھتا"

اس آیت کے الفاظ پر ذرا غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ تجارتی قرضوں کو بھی شامل ہے کیونکہ ذاتی مقاصد کے لئے حاصل کئے جانے والے قرض کا مقصد حاجت پوری کرنا ہوتا ہے، مال میں اضافہ کرنا نہیں۔ اگر سود صرف صرفی قرضے تک محدود ہوتا تو اس طرح کے الفاظ ہونے چاہئے تھے کہ "جو قرض تم لوگوں کی حاجات پوری کرنے کے لئے دیتے ہو یا جو قرض اس لئے دیتے ہو تاکہ تمہارے مال میں اضافہ ہو" جبکہ یہاں یہ الفاظ ہیں کہ اس ادھار سے دوسرے (منفعت بخش کاروبار کریں اور اپنے مالوں میں اضافہ کریں...... اللہ تعالیٰ تجارتی مقاصد کے لئے دیئے جانے والے قرضوں کے بارے میں بھی فرماتے ہیں کہ اللہ کے ہاں مال میں اس طرح اضافہ نہیں ہوتا۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ یہ اضافہ حاصل کرنا حرام ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ امر واقعہ یہ ہے کہ سود مال میں اضافہ نہیں کرتا جس کی وضاحت آگے آرہی ہے۔

(۳) ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا......﴾ (البقرۃ:۲۷۸)
"اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ اور جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو"

مشہور مفسر قرآن حافظ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت تجارتی سود کے بارے میں نازل ہوئی (تفسیر طبری: ج۳، ص۱۰۷) مزید تفصیل آگے ملاحظہ کریں۔

تجارتی سود شامل ہونے کے دیگر دلائل

(۱) ربا کی تعریف علمائے امت کے ہاں الزيادة فی الدين سے کی جاتی ہے نہ کہ الزيادة في القرض سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دَین (یعنی صرفی و تجارتی قرضے ہر دو) میں مشروط اضافے کو ربا کہا جاتا ہے۔

(۲) ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ اور ﴿وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا﴾ وغیرہ کے قرآنی الفاظ میں ربا کے لفظ پر اَل موجود ہے۔ اور عربی قواعد کی رو سے یہ اَل استغراق کا ہے جو تمام اقسام کو اپنے تحت شامل کرنے کا معنی دیتا ہے۔

یعنی الربوا عام ہے اور اصولِ فقہ میں عَام اسے کہا جاتا ہے جو "ان تمام افراد و اقسام پر صادق آئے جو اس کے مفہوم میں شامل ہو سکتے ہوں"...... عَام کو پہچاننے کے صیغوں میں اَل استغراقی بھی داخل ہے۔ (اصولِ سرخسی: ج۱، ص۱۵۱)

غرض عربی قواعد کی رو سے الربوا کا لفظ ہر قسم کے سود کو شامل ہے چاہے وہ تجارتی ہو یا صرفی، مرکب ہو یا مفرد۔

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ظہورِ اسلام کے وقت عرب میں تجارت

علماء نے اس موضوع پر بڑی تفصیل سے عہدِ نبوی میں تجارت کے وجود پر تفصیلات جمع کی ہیں۔ ذیل میں ان کے چیدہ چیدہ نکات درج کیے جاتے ہیں:

جزیرۂ عرب کرۂ ارضی کے مختلف آباد علاقوں کے وسط میں واقع ہے۔ چنانچہ مشرق و مغرب یعنی ہندوستان اور اس کے ارد گرد کے ممالک کی مصر، سوڈان، الجزائر، تیونس (براعظم افریقہ) اور بلادِ شام سے تجارت جزیرۂ عرب کے راستے ہی ہوتی تھی۔ اسی طرح شمال سے جنوب یعنی یمن، جنوبی افریقہ کی عراق، ایران اور بلادِ یورپ سے تجارت بھی جزیرۂ عرب کے واسطے سے ہوتی۔ عرب کی سرزمین پہاڑوں، ناقابل کاشت میدانی علاقوں اور بے آب و گیاہ صحراؤں پر مشتمل ہے اور زراعت کو عرب میں معزز پیشہ بھی خیال نہیں کیا جاتا لہٰذا اہل عرب کی گزر بسر ان تجارتی قافلوں میں اپنا قابل فروخت سامان شامل کرکے ہوتی تھی۔ یا قافلوں کو لوٹ مار کر اپنا دانہ پانی پورا کیا جاتا۔ بعض لوگ انہی قافلوں کو بحفاظت گزارنے کے عوض ٹیکس بھی وصول کرتے۔ گویا جزیرۂ عرب مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں بین الاقوامی منڈی بنا ہوا تھا جس میں شہر مکہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ قرآن کریم کی سورۂ قریش میں انہی تجارتی قافلوں کا ذکر موجود ہے:

﴿لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ﴾ "اس واسطے کہ مانوس رکھا قریش کو، مانوس رکھنا سردی اور گرمی کے سفر میں، انہیں چاہئے کہ اس گھر کے رب کی بندگی کریں جو بھوک میں ان کے کھانے کا بندوبست کرتا اور انہیں خوف سے امن میں رکھتا ہے۔"

- ☆ یاد رہنا چاہئے کہ جنگ بدر کا پیش خیمہ بھی ابوسفیان کی سرکردگی میں آنے والا قافلہ ہی بنا تھا جس میں سامان سے لدے ہوئے دو ہزار اونٹ شامل تھے۔
- ☆ ابوسفیان تجارتی قافلے کے سربراہ کے طور پر ہی شام گیا تھا جب اُس سے ھرقل نے سوال وجواب کیے
- ☆ کئی مؤرخین نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ درآمد و برآمد کی تجارت ۵۰ لاکھ دینار یعنی ۴ ارب روپے سالانہ تک پہنچتی تھی۔
- ☆ انہی تجارتی قافلوں سے سامان کی خریداری کے لئے قریش میں چار بڑے میلے بھی مشہور ہیں جن میں عکاظ کے میلے کی مناسبت سے بعض واقعات احادیث میں موجود ہیں۔
- ☆ احادیث میں تجارت کی بیسیوں ایسی اقسام کا تذکرہ ملتا ہے جن میں سے بیشتر آج بھی رائج ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عرب میں تجارتی کاروبار نہایت عروج پر تھا۔
- ☆ صحابہ کرامؓ میں متعدد لکھ پتی تاجر بھی تھے۔ حضرت عثمانؓ اور دوسرے صحابہ کے اپنے تجارتی سامان کو اللہ کی راہ میں [illegible] کے واقعات مشہور ہیں۔

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ان حالات میں یہ فرض کر لینا کہ عہدِ نبوی میں تجارت نہایت پر خطر تھی لہٰذا برائے نام رہ گئی، ایک بے معنی مفروضہ ہے جس کی مخالفت تاریخ سے بھی ہوتی ہے اور قرآن سے بھی۔ ہم انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مضمون "Banks" کے اس اقتباس پر اپنی بات ختم کرتے ہیں جس کو مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب سُود میں درج کیا ہے:

"جزیرۃ العرب کے آس پاس ملکوں (عراق، مصر، شام، یونان اور روم) میں تجارتی، صنعتی اور ریاستی اَغراض کے لئے دیئے گئے قرضوں پر سود لیا جاتا اور دیا جاتا تھا۔ ان ممالک کے ساتھ عربوں کے تجارتی تعلقات تھے تو یہ کیسے فرض کر لیا گیا کہ عرب تجارتی سود سے باخبر ہی نہیں تھے؟"

صحابہ کرامؓ میں تجارتی قرضے...... اَحادیث کی روشنی میں

(۱) حضرت عمرؓ کے بیٹے عبداللہؓ اور عبیداللہؓ ایک لشکر میں شام ہو کر عراق گئے۔ واپسی پر بصرہ کے امیر ابو موسیٰ اشعریؓ سے ملنے گئے تو انہوں نے کہا کہ "میرے پاس بیت المال کا کچھ حصہ ہے جسے میں امیر المومنین کو بھیجنا چاہتا ہوں۔ تم وہ مال مجھ سے قرض لے کر عراق سے اس کا سامان خرید لو اور مدینہ پہنچ کر منافع پر بیچ دینا، اور اصل رقم امیر المومنین کو ادا کر کے منافع خود رکھ لو" حضرت عمرؓ کے بیٹوں نے کہا: ٹھیک ہے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (موطأ امام مالک، باب ماجاء فی القراض)

(۲) ہندؓ بنت عتبہ نے حضرت عمرؓ سے بیت المال سے ۴ ہزار درہم کا قرض (تجارت کے لئے) مانگا جو انہوں نے دے دیا۔ ہندؓ بنت عتبہ کو کاروبار میں خسارہ ہو گیا لیکن انہوں نے بیت المال کو پورا قرضہ ادا کر دیا۔ (تاریخ طبری: ۵/۲۹)

(۳) حضرت زبیر بن عوامؓ کے پاس لوگ بڑی بڑی رقمیں امانت کے لئے رکھا کرتے تھے۔ مگر وہ کہتے کہ میں اَمانت نہیں بلکہ قرض لیتا ہوں۔ جس سے میں تجارت کروں گا۔ چنانچہ ان کی شہادت کے بعد جب ان کے بیٹے نے حساب کیا تو یہ تجارتی قرضے (اَمانتیں) ۲۲ لاکھ درہم تھے جو ان کی جائیداد سے ادا کئے گئے۔ (بخاری: کتاب الجہاد، باب برکۃ الغازی فی مالہ)

حرمتِ سود سے قبل سودی تجارتی قرضے

(۱) حضرت ابن جریر آیت ﴿وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا﴾ کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دورِ جاہلیت میں بنو عمرو اور بنو مغیرہ کے درمیان سودی قرضوں کا لین دین تھا۔ جب اسلام آیا اور سود حرام ہوا تو بنو مغیرہ کے ذمے بنو عمرو کا بہت سا مال واجب الادا تھا۔ جس کو بنو مغیرہ نے سود کی حرمت نازل ہونے کے بعد ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر بنو عمرو نے عتاب بن اُسیدؓ (امیر مکہ) کے پاس اپنا دعویٰ دائر کر دیا۔ حضرت عتابؓ نے نبی اکرم ﷺ سے اس سود کے بارے میں پوچھا تو اللہ نے یہ آیت اتار دی۔ "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ہے، اس کو چھوڑ دو، اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو" رسولِ اکرم ﷺ نے یہ آیت لکھ کر عتابؓ (امیر مکہ) کو بھجوائی اور ساتھ یہ ہدایت کی کہ اگر بنو عمرو سود چھوڑنے پر راضی نہ ہوں تو ان کو جنگ کا الٹی میٹم دے دو" (تفسیر ابن جریر طبری: ج ۳، ص ۱۰۷)

ابن جریر نے عکرمہؒ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ

"بنو عمرو کے جو افراد بنو مغیرہ کو قرض دیا اور لیا کرتے تھے، ان میں [تین بھائی] مسعود ثقفی عبدیالیل، حبیب [بن عمرو بن عمیر] اور ربیعہ وغیرہ شامل ہیں" (ابن جریر طبری: ج ۳، ص ۱۰۷)

ان حضرات کا طائف کے سرداروں میں شمار ہوتا تھا اور یہ محتاج اور بھوکے ننگے نہیں بلکہ مالدار لوگ تھے۔ واضح سی بات ہے کہ ان کے یہ قرضے ذاتی اغراض و احتیاج کی تکمیل کے لئے نہیں، تجارتی مقاصد کے لئے تھے۔ چنانچہ اسی آیت کی تفسیر میں ابن جریر فرماتے ہیں: كان ربا يتبايعون به في الجاهلية "یہ وہ سود تھا جو جاہلیت میں لوگ تجارتی مقصد کے لئے لیتے تھے"

(۲) صاحبِ تفسیر خازن مذکورہ بالا آیت (سورۃ البقرہ ۲:۲۷۸) کے تحت تجارتی سود کے بعض مزید واقعات درج کرتے ہیں:

"حضرت عباسؓ اور حضرت خالدؓ بن ولید زمانہ جاہلیت میں باہمی شراکت سے سودی کاروبار کیا کرتے تھے۔ وہ طائف کے قبیلہ بنو عمیر کو کاروباری مقاصد کے لئے سود دیتے تھے۔ اس آیت کے نازل ہونے پر انہوں نے اپنا کافی زیادہ سود (جو بنو عمیر کے ذمے تھا) چھوڑ دیا۔ یہ وہی سود تھا جس کا تذکرہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں ان الفاظ سے کیا:

"جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے گئے ہیں اور میں سب سے پہلے اپنے خاندان یعنی عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں" (مسلم: کتاب الحج، باب حجۃ النبیؐ)

سورۃ البقرہ کی یہ آیت ﴿وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا﴾ نبی اکرم ﷺ کی وفات سے صرف چار ماہ پیشتر نازل ہوئی۔ اسی لحاظ سے حجۃ الوداع اور اس آیت کا زمانہ نزول قریب قریب ہے۔

کاروباری سود کا یہی واقعہ ابن جریرؒ اپنی تفسیر میں سدیؒ کے حوالے سے یوں روایت کرتے ہیں:

"حضرت عباس بن عبدالمطلب اور بنو مغیرہ کا ایک شخص (حضرت خالدؓ بن ولید بن مغیرہ) آپس میں کاروباری شریک تھے۔ انہوں نے بنو عمرو (طائف) کو تجارتی قرضے دیئے۔ جب اسلام کا دور آیا تو ان کا بہت سال مال سود میں واجب الادا تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا﴾ (تفسیر ابن جریر: ج ۳، ص ۱۰۷)

مذکورہ بالا واقعات کے علاوہ دیگر بیسیوں ایسے شواہد موجود ہیں جو یہ مفروضہ بالکل غلط ثابت کر دیتے ہیں کہ عہدِ نبوی میں تجارتی قرضوں کا کوئی تصور نہ تھا اور صرف ذاتی (صرفی) مقاصد کے لئے (مہاجنی) قرضے لئے جاتے تھے۔ اس زمانہ کی تجارت اور ہمسایہ ممالک میں تجارتی قرضوں وغیرہ کی تفصیلات کے لئے دیکھئے مولانا مودودیؒ کی کتاب سود (ص ۲۰۰ تا ۲۱۵، مطبوعہ ۱۹۹۷ء) اور مولانا

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

عبدالرحمٰن کیلانی کی تصنیف: تجارت کے اَحکام و مسائل، باب ۵: سود)

سود کے جواز کے لئے مختلف بہانے

سود کو جائز قرار دینے کے لئے مختلف بہانے یوں تراشے جاتے ہیں:

(۱) باہمی رضا مندی سے سود لینا جائز ہونا چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلاَّ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ ”اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ باہمی رضامندی سے تجارت کے ذریعے“ (النساء:۲۹)

(۲) سود کے حرام ہونے کی علت ظلم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں: ﴿وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴾ ”اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے لئے صرف تمہارے اصل مال لینا حلال ہیں، نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے“ (البقرہ:۲۷۹)...... چنانچہ اگر سود میں ظلم کا عنصر نہ پایا جائے تو سود حلال ہونا چاہئے۔

(۳) جس سود میں ظلم کا عنصر نہ ہو اور وہ باہمی رضامندی سے ہو، اس کے ساتھ منفعت بخش مقاصد (مثلاً تجارت) کے لئے ہو تو اس سود کو تو بالاولیٰ جائز ہونا چاہئے۔ کیونکہ تجارت کا مقصد بھی منافع حاصل کرنا ہی ہوتا ہے اور اسلام میں اس کی تعریف کی گئی اور خوب ترغیب دی گئی ہے۔ اسی طرح ذاتی مقصد کے لئے حاصل کردہ قرض پر سود تو حرام ہے لیکن تجارتی مقصد کے لئے سود کی حرمت سمجھ سے بالاتر ہے۔

ان اعتراضات کے شافی جوابات کے لئے ضرورت تو اس بات کی ہے کہ تفصیل سے ہر ہر نکتہ کو عقل و نقل کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھا جائے اور غلط استدلال کی قلعی کھولی جائے۔ لیکن چونکہ ان موضوعات پر مستقل مباحث الگ سے موجود ہیں جن میں سے بعض محدث کے حالیہ شمارے میں بھی شامل ہیں لہٰذا حسبِ ضرورت ان کی طرف اشارہ کرنے کے ساتھ بالاختصار ان کا جائزہ لینے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم بعض عنوانات کے تحت ان کی وضاحت پیش کرتے ہیں:

(۲) کیا باہمی رضامندی سے سود لینا جائز ہے؟

(۱) اس بحث میں پڑنے سے پہلے ہم اس استدلال کا جائزہ لیتے ہیں جو قرآنِ کی آیت سے لیا گیا ہے:

”اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔ مگر یہ کہ تمہارے درمیان باہمی رضامندی سے تجارت ہو“ (النساء:۲۹)

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اگر سود باہمی رضامندی سے ہو تو اس وقت سود لینا جائز ہے۔ کیونکہ اس آیت میں باطل طریقوں میں باہمی رضامندی کے الفاظ سے حلال طریقوں کو مستثنیٰ کیا

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

جا رہا ہے۔

(i) اس آیت کے الفاظ پر ہی معمولی غور کرنے سے اس استدلال کا بودا پن معلوم ہو جاتا ہے۔ اس آیت میں سود کے اَحکام کا تذکرہ ہی نہیں بلکہ تجارت اور معاہدے کی شرائط ذکر ہو رہی ہیں اور وہ یہ کہ تجارتی معاملہ میں باہمی رضامندی شرط ہے ﴿اِلاَّ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ مگر یہ کہ وہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے۔ ہم پیچھے یہ بحث کر آئے ہیں کہ تجارت اور سود دونوں میں واضح طور پر فرق ہے اور ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ "اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا ہے" دونوں میں عمل کے لحاظ سے اگر اتنے واضح فرق نہیں تو نتائج کے اعتبار سے زمین آسمان کا فرق ہے (دیکھئے ص ٦٧) یہی وجہ ہے کہ شریعت میں سود کی شدید ترین مذمت آئی ہے تو تجارت کی واضح ترغیبات موجود ہیں۔ اس لئے ﴿اِلاَّ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً﴾ کے الفاظ کو نظرانداز کرنا تری من مانی اور قرآن کے منہ میں اپنی بات ڈالنے کے مترادف ہے۔

(ii) قرآن وحدیث سے مسائل اَخذ کرنے کا مسلمہ اُصول یہ ہے کہ ایک موضوع پر میسر آنے والے تمام اَحکام کو یکجا کرکے ان سے مشترکہ اَحکام نکالے جائیں۔ کسی مقام پر موجود کسی ایک لفظ کو سیاق و سباق سے جدا کرکے اپنے مطلب میں استعمال کرلینا اِلحاد و زندقہ کا طور طریقہ تو ہوسکتا ہے، اسلام کا نہیں۔ قرآنِ کریم اور احادیث میں جو متعدد بار سود کی واضح ترین حرمت اور مذمت آئی ہے حتیٰ کہ قرآن میں اسے اللہ سے جنگ کے مترادف قرار دیا گیا ہے تو باہمی رضامندی سے سود کو حلال کرنے والوں کی نگاہوں سے یہ آیات اور احادیث کیوں اوجھل ہیں۔ جو انہیں اس آیت کی اِتباع کا اس قدر شوق چرایا ہے۔ یہ تو صریحاً اس آیت کے مصداق ہے:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلاَّ خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ "کیا تم شریعت کا کچھ حصہ لے لیتے ہو اور کچھ کو چھوڑ دیتے ہو، ایسا کرنے والوں کی اس کے سوا کیا جزا ہے کہ دنیا میں انہیں رسوائی ہو اور آخرت میں برے عذاب کے سپرد کیا جائے۔ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے قطعاً غافل نہیں" (البقرہ:٨٥)

(٢) شریعت کا مطلب ہی "بنائی ہوئی چیز" کے ہیں۔ یعنی یہ زندگی گزارنے کا ایسا طریقہ / راستہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ذریعے اپنی مخلوق کے لئے جس طرزِ حیات کو ان کی زندگی بہتر گزارنے کے لئے مناسب اور موزوں سمجھا ہے، وہ اس نے ہم پر نازل کی اور ہم مسلمان (فرمانبردار) ہونے کے ناطے اس کو قبول کرچکے ہیں اور اب اس طریقے کے پابند ہیں۔ اللہ کا عظیم احسان ہے کہ اس نے فلاح کے راستے کا تعین انسانوں پر نہیں چھوڑا بلکہ اس کا تعین اپنی حکمتِ بالغہ سے خود فرمادیا۔ اس طریقے میں کسی تبدیلی کے مجاز نہ ہم خود ہیں، نہ ہی نبی کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکات تھی۔ قرآنِ کریم میں ہے:

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ﴾ (سورۃ الحاقہ: ۴۴ تا ۴۷)

"اے نبی! اگر آپ بھی کوئی بات اپنی طرف سے گھڑ کر ہم سے منسوب کریں گے تو ہم آپ کو اپنے داہنے ہاتھ سے پکڑ لیں گے اور آپ کی شہ رگ کاٹ ڈالیں گے، اور تم میں سے کوئی ہمیں اس (سزا دینے) سے روک نہیں سکتا"

نبی کریم ﷺ کا فریضہ صرف تبلیغ و رسالت ہے خواہ وہ وحی جلی کی صورت میں ہو یا خفی (حدیث و سنت) کی صورت میں: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلاَّ رَسُوْلٌ﴾ "محمد ﷺ تو صرف پہنچانے والے ہیں" چنانچہ اگر نبی اکرم ﷺ کی ذات پر شارِع کا لفظ کبھی بولا جاتا ہے تو وہ مجازی معنی میں ہے، حقیقی میں نہیں کہ آپ شریعت کو پہنچانے والے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک امر کو اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دینے کے بعد مسلمان باہمی رضامندی سے حلال کر سکتے ہیں۔ بعض ایسے مسلمان جو سود کی اَندھی وکالت کرتے ہوئے باہمی رضامندی سے سود کھانے کے جواز کا فتویٰ دینا چاہتے ہیں، ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا خیال ہے باہمی رضامندی سے زنا کے بھی حلال ہوجانے کے بارے میں یا شراب اور قتل کے جائز ہونے کے بارے میں؟...... کیا کوئی مسلمان یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ اسلام کے اَحکام اس گنجائش کے متحمل ہیں۔ اس لئے ذرا کھلی آنکھوں کے ساتھ بصیرت سے اپنے دعویٰ کی زد میں آنے والے دیگر اَحکام کو بھی ایک نظر دیکھ لینا ضروری ہے۔

(۳) مندرجہ بالا دلائل تو لفظی اور شرعی نوعیت کے تھے۔ لیکن ذرا واقعاتی طور پر اس کا جائزہ لیں کہ آیا کوئی شخص خوشدلی سے سود دینے پر راضی ہو سکتا ہے۔ زیادہ گہرے غور و فکر کی ضرورت نہیں، اگر ایک شخص کو ایک لاکھ روپے قرض درکار ہے اور اس کو سود بلکہ کم شرح سود کے ساتھ ساتھ دوسری جگہ سے بغیر کسی شرط کے بلاسود بھی ایک لاکھ مل سکتے ہوں تو کون ایسا شخص ہے جو بغیر کسی وجہ کے سود ادا کرنا پسند کرے۔

یہ تو یوں ہی ایک فریب اور ڈھکوسلا ہے کہ قرضدار اپنی رضامندی سے سود ادا کرتے ہیں۔ اگر انہیں بلاسود قرض دستیاب ہو سکے تو وہ کبھی سود پر قرض حاصل نہ کریں۔ یہ تو ان کی مجبوری کو رضامندی سے تعبیر کرنے کا محض ایک فریب ہے۔ اسلام ہی وہ خدمتِ انسانی کا جذبہ، باہمی ایثار و محبت اور خلوص کے وہ جذبات پیدا کرتا ہے جو ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی ضرورت نہ صرف قرض بلکہ قرضِ حسنہ (جس میں ادائیگی کی مدت کا بھی تعین نہ ہو) کی صورت میں پوری کرتا ہے کیونکہ مسلمان کا تصورِ فلاح اپنے رب کی اطاعت اور حصولِ درجات سے جڑا ہوتا ہے اور وہ اُخروی مقاصد کے تحت ایسا کرتا ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے صفحہ ۲۲۰)

بہت کم صورتوں میں ایسا ہوتا ہے کہ سودی معاہدہ فریقین کی رضامندی سے ہو لیکن ایسا اکثر اس سے بڑے شر کے حصول کے لئے اور ہوسناک پرستانہ مقاصد کے تحت ہوتا ہے۔ جس طرح

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

بنکوں میں بچتیں جمع کرانے والے لالچ اور ہوسِ زر میں سودی اکاؤنٹ کھول لیتے ہیں اور بنک اس لئے سود ادا کرنے پر راضی ہو جاتا ہے کہ وہ اس رقم سے اس سے زیادہ شرحِ سود وصول کرے گا۔ بالفرض اگر رضامندی سے سودی معاہدہ ہو بھی جائے تو اس سے نفس مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ سود کی حرمت کی بنیاد شریعت کے اَحکام ہیں نہ کہ باہمی رضامندی جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے

(۳) کیا سود کی حرمت کی علت 'ظلم' ہے؟

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۷۸،۲۷۹)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو۔ اگر واقعی تم مؤمن ہو تو جو سود باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے اور اگر سود سے توبہ کر لو تو تم اپنے اصل سرمایہ کے حق دار ہو، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے"

اِن آیات میں سود کی حرمت اور مذمت کرتے ہوئے، سود چھوڑنے کا طریقہ بیان کیا گیا اور آخر میں نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے، کے الفاظ سے سود کی حکمت بیان کی گئی ہے۔ بعض حضرات یہ بات کہتے ہیں کہ سود کی حرمت کی بنیادی وجہ ظلم کا ہونا ہے۔ چونکہ قرض لینے والا محتاج اور فقیر ہوتا ہے اور اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے قرض کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا قرض دینے والا اس کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس پر ظلم کرتا ہے۔ سود در سود (سود مرکب) کی شکل میں یہ ظلم شدید تر ہوتا جاتا ہے۔ بالفرض اگر کسی صورت میں قرض لینے پر ظلم کا اِرتکاب نہ ہوتا ہو اور سود سے منفعت بخش کاروبار کرنا چاہے تو سود لینا جائز ہے۔ وفاقی شرعی عدالت نے بھی اپنے فیصلہ مقدمہ سود کے پیرا ۲۲۱ میں سود کی حرمت کی علت ظلم کو قرار دیا ہے۔

والدِ گرامی حافظ عبدالرحمٰن مدنی نے اپنے عدالتی بیان میں اس نکتہ کی خوب وضاحت کی ہے۔ یہ عدالتی بیان محدث میں بھی شائع ہو رہا ہے۔ جس کے صفحات ۷۸ تا ۸۱ خصوصیت سے قابل توجہ ہیں۔

علت اور حکمت اُصولِ فقہ کی اصطلاح میں دو مختلف چیزیں ہیں۔ علت تو اس بنیاد کو کہا جاتا ہے جس پر کوئی شرعی حکم موقوف ہوتا ہے۔ اگر وہ علت باقی نہ رہے تو وہ شرعی حکم بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ جبکہ حکمت سے مراد وہ مصلحت ہے جس کو شارع اس حکم کی تشریع کے ذریعے پورا کرنا چاہتا ہے، یہ مصلحتیں متعدد بھی ہو سکتی ہیں۔ یاد رہے کہ شرعی حکم کسی حکمت کے وجود یا عدمِ وجود پر موقوف نہیں ہوتا۔ بسا اوقات کسی حکمت کے ساقط ہونے پر شریعت بعض دیگر ذرائع سے اس مقصد ر حکمت کو حاصل کر لیتی ہے لہٰذا اس حکمت کے ختم ہونے پر شرعی حکم کو ساقط نہیں کیا جا سکتا...... واضح رہے کہ

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

علت کی تلاش ایک مشکل اور پیچیدہ اَمر ہے کہ شارع نے کسی شرعی حکم کو کیوں لاگو کیا ہے۔ علت کے لئے متعدد شرطیں بھی ضروری ہیں جو اُصولِ فقہ کی کتب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ظلم سود کی حرمت کی حکمت ہے یا علت؟ سود کے مفاسد کا بنظر غائر جائزہ لیں تو ظلم کو اس کی علت قرار دینا درست نظر نہیں آتا۔ ہماری رائے میں ظلم کا وجود سود کی حرمت کی ایک اہم حکمت ہے، کیونکہ سود کی حرمت صرف اس کی بنا پر نہیں ہے۔ بعض ایسی صورتیں بھی ہوسکتی ہیں جہاں بظاہر ظلم نہ ہو رہا ہو لیکن سود حرام ہو۔

(۴) منفعت بخش مقاصد کے لئے سود کی حرمت؟

یہ گذشتہ اعتراض کا ہی ایجابی پہلو ہے...... جیسا کہ ذکر ہوا ہے کہ سود کی حرمت صرف ظلم کے وجود پر ہی موقوف نہیں، علماء نے سود کے بے شمار مفاسد گنوائے ہیں۔ بعض اس کو تکنیکی وجوہ کی بنا پر حرام سمجھتے ہیں اور بعض علماء اس کے اَخلاقی اور معاشرتی مفاسد کو اس کی حرمت کی وجہ بتاتے ہیں۔

مولانا عبدالرحمن کیلانیؒ لکھتے ہیں: (تجارت اور لین دین کے احکام: ص ۷۸)

> ”سود اسلامی تعلیمات کا نقیض اور اس سے براہِ راست متصادم ہے۔ اس کا حملہ بالخصوص اسلام کے معاشرتی اور معاشی نظام پر ہوتا ہے۔ اسلام ہمیں ایک دوسرے کا بھائی بن کر رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ آپس میں مروّت، ہمدردی، ایک دوسرے پر رحم اور ایثار کا سبق سکھلاتا ہے۔ اللہ نے مسلمانوں پر آپس کے بھائی چارے کو اپنا خاص اِحسان قرار دیا (آل عمران:۱۰۳) اور یہی چیز رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی بھر کی تربیت کا ماحاصل تھا جبکہ سود انسان میں ان سے بالکل متضاد صفات یعنی بخل، حرص، لالچ، مفاد پرستی اور شقاوتِ قلبی پیدا کرتا ہے جو اسلامی تعلیمات کی عین ضد ہے...... اسلام کے معاشی نظام کا ماحاصل یہ ہے کہ دولت گردش میں رہے اور اس گردش کا بہاؤ امیر سے غریب کی طرف ہو، اسلام نے نظامِ زکوٰۃ و صدقات کو اس لئے فرض کیا ہے، قانونِ میراث اور حقوقِ باہمی اسی کی تائید کرتے ہیں جبکہ سودی معاشرہ میں دولت کا بہاؤ ہمیشہ غریب سے امیر کی طرف ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی سود اسلام کے معاشی نظام کی عین ضد ہے“

ان سب باتوں سے اتفاق کے ساتھ ساتھ ہم ان پر یہ اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ دراصل سود منفعت بخش ہوتا ہی نہیں۔ کیونکہ اوّل تو سود کے ذریعے تخلیق مال (تخلیق منافع) ہوتا ہی نہیں بلکہ یہ صرف ناروا تقسیم مال (اغتصابِ مال) کا ایک ہتھکنڈا ہے۔ سود میں 'انسانی محنت' کا وہ بنیادی عنصر ہی موجود نہیں جس سے منافع تخلیق ہوتا ہے۔ یہ صرف نقد کے ذریعے دوسرے کی کمائی کو غصب کرنے کا ایک بہانہ ہے۔

دوسرے، سود میں اگر ذاتی سطح پر ظلم، اَذیت اور ضرر موجود نہ بھی ہو تو قومی معاشرتی سطح پر سود کے ذریعے آخر کار ان کا وجود ضرور پایا جاتا ہے۔ معاشرتی سطح پر اذیت اور ظلم انفرادی اور شخصی اذیت سے کہیں زیادہ تباہ کن اور دور رَس ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں بھی رونما ہونے والی قومی اور معاشرتی

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

مشکلات کے پیچھے سود کا ظالمانہ عنصر ضرور کار فرما ہے۔ چونکہ سود ہر حال میں مقروض کو ادا کرنا ہوتا ہے، اس لیے شرحِ سود سے زیادہ نفع کمانے کے لیے مقروض کو ہر جائز اور ناجائز حربہ استعمال کرنا ضروری ہو جاتا ہے جس کے لیے وہ کاروبار میں ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹنگ اور ناجائز و حرام ذرائع استعمال کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ نفع کو شرحِ سود سے بلند تر رکھنے کے لیے کارکنوں کی اُجرت کم سے کم تر رکھ کر اور وقت سے زیادہ کام لیکر ان کا استحصال کیا جاتا ہے، اور ان تمام ناروا ہتھکنڈوں سے ناجائز منافع کما کر قرض دینے والے کو صرف اس لیے ادا کر دیا جاتا ہے کیونکہ اس نے سود پر پیسے دیئے تھے۔ جب کہ اس اضافے کی تحصیل میں اس نے نہ کوئی محنت صرف کی، نہ کسی قسم کے رسک سے دوچار ہوا اور نہ کاروباری مشکلات اور تقاضوں میں اس نے کوئی حصہ ڈالا۔ صرف اپنے پیسے کی بنیاد پر مال میں اضافہ وصول کرنا اس کا استحقاق ٹھہرا۔ دوسری طرف مظلوم یا خون پسینے کی محنت سے معمولی اُجرت حاصل کرنے والا طبقہ جب اس طرح اپنی محنت کا حقیقی معاوضہ وصول نہیں کر پاتا، اور اپنی محنت کے بل بوتے پر دوسرے کو عیش و عشرت کرتا اور گلچھرے اڑاتا دیکھتا ہے تو مایوسی، بیچارگی اور افسردگی کا شکار ہو کر ناروا طریقوں سے اور اپنے زورِ بازو سے اپنا حصہ خود وصول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ جب مزدوروں کا حق غصب ہوتا ہے تو ردِّ عمل کے طور پر وہ معاشرہ کی ہر چیز اور فرد سے بددل ہو کر انتقام کی ٹھان لیتے ہیں۔ ان رویوں اور قانون شکنیوں کا معاشرہ پر جو اثر پڑتا ہے اس کی تصویر آج ہم کھلی آنکھوں اپنے معاشرے میں بھی دیکھ رہے ہیں۔ اختصار کی غرض سے اشارہ کرنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے (تفصیل کیلئے ص ۲۰۷) اس کے بعد کیا یہ دعویٰ کرنا درست دکھائی دیتا ہے کہ منفعت بخش مقاصد کے لیے سود جائز ہونا چاہیے۔

سود کو اللہ نے حرام کیا ہے اور اس کی شدید ترین مذمت کرتے ہوئے اس کو اپنے سے جنگ کے مترادف قرار دیا، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ سود شرِ محض ہے۔ سود کی بنا پر ہونے والے کسی معاہدے یا معاملے میں خیر کا وجود محال ہے، اگر سود میں ایسی کوئی گنجائش ہوتی تو اس کی وضاحت شریعتِ مطہرہ میں ضرور کر دی جاتی۔ قرآنِ کریم اور فرامین نبویہؐ میں نہ صرف سود کو مطلقاً حرام کیا گیا بلکہ اس پر گواہی دینے والے اور اس کو لکھنے والے سب کو گناہ میں برابر کا شریک قرار دیا گیا ہے۔ شریعت میں ہر قسم کا سود حرام ہے چاہے وہ صرفی ہو یا تجارتی، نیک مقاصد کیلیے یا ناروا مقاصد کے لیے۔ سود ہر لحاظ سے حرام ہے اور اسلام کا بنیادی تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر طرح کے سود سے کلی نفرت اور مکمل اجتناب کیا جائے اور سود کو ختم کرنے کی ہر ممکن سعی کی جائے۔

اسلام نے سود کو کیوں حرام قرار دیا ہے؟

یوں تو مسلمان ہونے کے ناطے ہمارے لئے اس سوال کی زیادہ اہمیت نہیں رہ جاتی بلکہ مسلمان کا تو کام یہ ہے کہ اگر اسے کسی شے کے بارے میں شرعی حکم کا یقینی دلائل سے علم ہو جائے تو دل و جان سے اس کو قبول کرے کہ یہی تقاضائے مسلمانی ہے۔ اس کے باوجود بعض ضعیفُ الاعتقاد مسلمانوں کی تشفی کے لئے علماء اور ماہرین معیشت نے ان متعدد وجوہات کو درج کیا ہے جو اسلام کے اس حکم کی تائید

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کرتی ہیں۔ حسن اتفاق کہیے کہ نہ صرف مسلمان بلکہ تمام الہامی مذاہب، فلاسفہ اور دانشوروں کے ہاں سود قدیم سے حرام چلا آرہا ہے۔ عیسائیوں کے ہاں بھی سود نہ صرف مذہبی بلکہ معاشرتی بنیادوں پر حرام تھا جسے وہ Usury کا نام دیتے۔ Usury کی مذمت میں اس قدر زیادہ لٹریچر پھیل چکا ہے اور اس لفظ کے تاریخی استعمال نے اس شدت سے سامعین کے ذہنوں کو جکڑ رکھا ہے کہ وہ Usury کی تائید میں کوئی اچھا کلمہ سننے کو تیار نہیں۔ چنانچہ من چاہے مقاصد کے حصول کے لئے اہل یورپ کے بااثر طبقہ نے سود کو رواج دینا چاہا تو اس کے لئے انہیں Usury کے بجائے Interest کا لفظ تخلیق کرنا پڑا اور اب تک Interest ایسے معصوم لفظ کے لبادے میں Usury کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ حقیقت اور امر واقعہ آج بھی وہی ہے کہ ہر دو میں کوئی خطِ امتیاز اور حدِ فاصل سرے سے ہی نہیں ہے۔ یہ صرف ایک لفظی کھیل ہے جو Usury کے نفرت آمیز پس منظر سے چھٹکارا حاصل کرنے کو شروع ہوا۔ (تفصیل کے لئے ص:۱۸۰)

یوں تو معاشیات میرا موضوع نہیں ہے اور فنی طور پر میں اس کی بیشتر اصطلاحات سے ناواقف ہوں لیکن ایک عام سی سمجھ بوجھ رکھنے والے فرد ہونے کے ناطے اور اس موضوع پر مطالعہ کے بعد درج ذیل نتائج کو پہنچا ہوں:

(۱) سود صرف مال کی ظالمانہ تقسیم کرتا ہے، مال میں واقعاتی اضافہ نہیں کرتا: اسلام نے سود کے بالمقابل تجارت کو قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تجارت میں فی الواقع مال میں نشوونما ہوتی ہے۔ جبکہ سود صرف مال کی ناروا تقسیم کا کھیل ہے۔ جس میں متعدد محتاج ہاتھوں سے پیسہ آہستہ آہستہ چند مقتدر ہاتھوں کی طرف جمع ہوتا رہتا ہے۔ سود کے اس چکر میں بعض نچلے طبقوں کی رقم آہستہ آہستہ طبقہ امرا کو منتقل ہوتی رہتی ہے۔ کیونکہ سود میں صرف زَر کو ذریعہ پیداوار تسلیم کرکے کچھ مال سے مزید مال جمع کرنے (نہ کہ پیدا کرنے) کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ مال دار کو چونکہ اپنے اصل مال میں کمی کا کوئی امکان نہیں بلکہ اضافے کا یقین ہوتا ہے لہٰذا آہستہ آہستہ وہ اس مال سے مزید مالدار ہوتا چلا جاتا ہے۔ کیونکہ سود کی صورت میں پیسہ، پیسے کو کھینچتا ہے۔

اس صورت میں معاشرے سے متوسط طبقہ آہستہ آہستہ ختم ہوکر صرف دو طبقات باقی رہ جاتے ہیں، ایک تو بے شمار وسائل وذرائع رکھنے والے امراء کا طبقہ اور دوسرا انتہائی ناکس، مجبور اور مظلوم طبقہ۔ ٹھیک یہی تصویر سرمایہ دارانہ نظام پیدا کرتا ہے کیونکہ اس میں مال کو ذریعہ پیداوار تسلیم کیا گیا ہے اور اس کا حاصل سود قرار دیا گیا ہے۔ سود کی ترویج میں طبقاتی نظام پیدا ہونا ایک لازمی تقاضا ہے۔ دولت کا صرف چند ہاتھوں میں جمع ہونے کا یہ مفروضہ حقیقت کا روپ یوں دھارتا ہے کہ قرض دینے والوں کا تو سود کی صورت میں مال میں اضافہ یقینی ہے اور یہ بات ہم جانتے ہیں کہ سود کے ذریعے مال میں اضافہ نشوونما کے ذریعے نہیں بلکہ ناروا تقسیم کے ذریعے ہوتا ہے۔ لازمی سی بات ہے کہ نسبتاً کم تر وسائل رکھنے والے افراد کے مال ہی سود کی صورت میں بڑے مالداروں کی طرف جمع ہوتے جائیں گے۔ اس سرکل کو

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

جس طرح بھی بیان کرلیا جائے، نتیجہ ایک ہی رہتا ہے۔

اس کے بدلے میں سود معاشرے کے نچلے طبقوں میں مایوسی، چڑچڑاپن، ناداری اور محتاجی کو رواج دیتا ہے جس کے نتیجے میں پیا ہوا طبقہ اپنی محنت سے نہیں بلکہ غیر قانونی ہتھکنڈوں سے مال و دولت کے حصول کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً چور بازاری، ڈاکہ اور لوٹ مار کے واقعات عام ہو جاتے ہیں۔ ذرا تفصیل میں جائیں تو اس کے مفاسد مزید کھلتے ہیں۔ اگر کوئی سرمایہ دار تجارتی قرضہ حاصل کرتا ہے تو اسے یقینی طور پر سود کی ادائیگی کے لئے مصارف پر کنٹرول کرنا پڑتا ہے۔ جس کے لئے وہ ملازمین کی تنخواہوں میں کمی، اِستعداد سے زیادہ کام اور اپنی مصنوعات کا حق سے زیادہ منافع وصول کرتا ہے۔ نتیجتاً استحصال، ذخیرہ اندوزی اور دھوکہ دہی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ لیکن تنخواہوں میں کمی، استعداد سے زیادہ کام، ذخیرہ اندوزی اور دھوکہ دہی سے قیمتوں میں گرانی کا سارا اثر صارف پر پڑتا ہے۔ نتیجتاً سود کا تمام بوجھ آخر کار ایک طبقہ پر آن پڑتا ہے اور دوسرا طبقہ مال وار سے مال دار ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ معاشرے میں متوسط طبقہ ختم ہو کر صرف دو طبقے باقی رہ جاتے ہیں۔

مصر کے نامور عالم، معروف دانشور اور شیخ الازہر شیخ محمد عبدہؒ فرماتے ہیں:

"جب نقد بجائے خود ذریعہ پیداوار بن جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دولت ان لوگوں کے پاس جمع ہو جائے گی، جن کا کام ہی یہ ہوتا ہے کہ نقد سے نقد کمایا جائے" (تفسیر المنار: ج ۳، ص ۱۰۹)

(۲) تجارت سے مال میں نشوونما ہوتی ہے: سود کی صورت میں صرف مال، مال سے ٹکرا کر مزید مال اکٹھا کرنے کا وسیلہ بنتا ہے۔ یہی بات صدیوں پہلے ارسطو نے بھی کہی تھی:

"سود ایسا طریقہ کسب ہے جس میں نقد سے نقد کمایا جاتا ہے...... دولت حاصل کرنے کے طریقوں میں یہ سب سے بدترین ہے۔" (بحوث فی الربا از مصری فقیہ ابوزہرہ م ۱۹۷۴ء)

دولت کمانے کے اس طریقے میں انسان کی کاوِش کو تو کوئی تحفظ حاصل نہیں ہوتا جبکہ مال ہر طرح محفوظ ہوتا ہے۔ جبکہ کائنات میں ہر شے انسان کے دم بدم سے قائم اور اس کے لئے ہی تیار کی گئی ہے۔ انسان کی محنت و صلاحیت ہی وہ حقیقی جوہر ہے جو زمین سے لہلہاتے کھیت اور فصلیں، درختوں سے خوبصورت فرنیچر، مٹی سے بلند و بالا عمارتیں اور مادے سے اپنے کام کی بے شمار چیزیں بناتا ہے۔ اگر ان میں سے انسان کی ہنرمندی اور محنت و مشقت کو نکال دیا جائے تو کوئی شے بھی وہ صورت اختیار نہ کرسکے جو آج ہمیں ہر دم نظر آتی ہے۔

تجارت کی صورت میں دراصل انسان کی محنت کو ہی تحفظ میسر آتا ہے۔ اسلام نے مضاربت کی صورت میں نقصان ہونے پر ایک طرف محنت کرنے والے کی محنت کے ضیاع کو قبول کیا ہے اور دوسری طرف سرمایہ والے پر سرمائے کا تمام نقصان برداشت کرنا لازمی ٹھہرایا ہے۔ اس لئے وہی نظام حقیقی معنوں میں انسان کی مشکلات کا مداوا کرسکتا ہے جو انسان کی جدوکاوش کا پوری طرح محافظ ہو۔

سود کی صورت میں دونوں طرف مال کا عنصر ہوتا ہے، تیسرا عنصر کوئی نہیں جس سے مال میں

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

نشوونما نہیں ہو سکتی، ہاں ظالمانہ طور پر مزید مال کا حصول ضرور ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ جبکہ تجارت میں تیسرا اہم ترین عنصر انسانی محنت کا ہے جس سے مال میں حقیقی نشوونما ہوتی ہے اور قومی معیشت ترقی کرتی ہے۔ انسان کی محنت کا صحیح بدلہ میسر آنے پر معاشرے میں محنت کو فروغ ملتا اور ہنرمندی ولیاقت کی قدر دانی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اسلامی اصولِ تجارت یعنی مضاربت ومشارکت وغیرہ میں کوئی شخص ضرورت پڑنے پر اپنا سرمایہ فوراً علیحدہ نہیں کر سکتا بلکہ اس کا نقصان وابستہ ہونے کی بنا پر اسے کاروبار کے حالات ملحوظِ خاطر رکھنا پڑتے ہیں۔ جبکہ سود خور کو صرف اپنے پیسے سے دلچسپی ہوتی ہے اور وہ عین ایسے وقت اپنے پیسے کا تقاضا کر بیٹھتا ہے جب کاروبار کے لئے اس کے بغیر جاری رہنا ممکن نہیں ہوتا۔ کیونکہ سود خور کا مفاد تو محفوظ ہوتا ہے اور وہ اسے ہر صورت مل کر رہتا ہے۔ بلکہ ایسے حالات میں پیسے کا تقاضا اس کے سودی کاروبار کو (سود در سود یا دوبارہ سودی معاہدے کی شکل میں) مزید ترویج دینے کا باعث بنتا ہے۔ اس سے مطلب پرستی اور سنگدلی کے جذبات معاشرے میں فروغ پاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں سود کی حرمت نہ صرف اقتصادی اور تکنیکی بنیادوں پر قائم ہے بلکہ اخلاقی اور معاشرتی وجوہات کی بنا پر بھی سود حرام ہے کیونکہ سود کی ترویج کی صورت میں معاشرہ میں انتشار، ظلم، بخل، مطلب پرستی، اسرف، مایوسی اور لوٹ مار پروان چڑھتے ہیں۔

(ii) اگر تجارت سود سے زیادہ نفع بخش نہ ہو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنکوں سے سود پر تجارتی قرضے لینے والے کیونکر یہ قرضے حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ سرمائے سے انسانی محنت کو شامل کر کے اس قدر زیادہ منافع کمانے میں کامیاب ہو جائیں گے جس سے وہ بنک کا سود بھی ادا کر لیں گے اور خود بھی خوشحال اور مالدار بن سکیں گے۔

(۳) سود ایک مخصوص شرح تک نفع بخش ہو سکتا ہے، اس کے بعد تجارت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں یہ بات عملی تجربے کے بعد پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ چونکہ سود مال میں نشوونما نہیں کرتا بلکہ ایک طرف تو معاشرتی ناہمواری پیدا کرتا ہے۔ دوسری طرف ایک مخصوص سطح تک پہنچنے کے بعد سودی کاروبار میں مزید اضافے اور ترقی کے امکانات نہیں رہتے۔ وہ ممالک جن کی معیشت ترقی پذیر ہے، وہاں سود سے فائدہ اٹھانے کے مواقع موجود ہیں جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں سود کا مستقبل روشن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ نصف دہائی میں ایک طرف یورپ کے بے شمار بڑے بنک دیوالیہ ہو کر صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں تو دوسری طرف کافی بنک دوسرے بنکوں سے اِدغام کرنے پر مجبور ہیں۔ حتیٰ کہ بعض بنک بڑی علامتی شرح سود کے ذریعے اپنا کاروبار جاری رکھنے پر مجبور ہیں۔ اس کے بجائے وہاں بھی تجارتی بنیادوں پر سرمایہ کاری کا رجحان فروغ پا رہا ہے کیونکہ اس میں انہیں زیادہ شرح منافع میسر آتی ہیں۔ (تفصیل کے لئے صفحہ ۱۸۸)

(۴) سود میں پیسے کو بند اور جمع کرنے کا رجحان ہے: جبکہ گردشِ دولت سے ہی معیشت میں ترقی ہوتی ہے۔ معاشیات کا مسلمہ اصول ہے کہ گردشِ دولت معیشت میں خوشحالی لاتی ہے۔ دولت

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

جتنے زیادہ ہاتھوں سے ہو کر گزرے گی، اتنے زیادہ طبقات اس پر اپنی محنت صرف کر کے اس سے اپنا حصہ وصول کریں گے۔ معاشیات میں یہی بات ایک اور انداز سے یوں بھی کہی جاتی ہے کہ ایک شخص کا خرچ دوسرے کی آمدنی ہوتا ہے۔ ایک شخص جتنی زیادہ اشیاء خریدتا ہے، اتنے زیادہ لوگ اس سے مختلف سودوں کی وجہ سے آمدنی حاصل کریں گے۔ ہم بھی اپنے روزمرہ تجربے کی بنا پر خوب سمجھتے ہیں کہ ایک سامان جتنے زیادہ واسطوں سے ہم تک پہنچے گا، اس قدر زیادہ مہنگا ہوگا، یعنی اس قدر زیادہ لوگ اس میں اپنا حصہ وصول کریں گے۔ ان سب مثالوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ گردشِ دولت کا دائرہ جتنا وسیع ہوگا، اتنے ہی لوگ اس سے اپنا کام ودہن کا سامان کر سکیں گے اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے قابل ہوں گے۔ تجارت انہی بنیادوں پر ہوتی ہے۔ جبکہ سود میں ذخیرہ اندوزی اور جمع کرنے کا رجحان غالب ہے۔ کیونکہ سود پر پیسہ دینے والا یہ یقین رکھتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ رقم اس کے پاس موجود ہو تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ قرض دے کر سود جمع کر سکے۔ اگر وہ تجارت میں رقم لگائے گا تو اس کو نقصان کا خطرہ رہے گا۔ جبکہ یہی نقصان کا خطرے اسے سود سے زیادہ اضافے کا حقدار بناتا ہے۔ لیکن سود خوری ایک مزاج تشکیل دیتی ہے اور وہ ہے بغیر کسی محنت وکاوش کے مال جمع کرنے کی ہوس۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہر وقت اپنا مال گنتے رہتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ الَّذِي جَمَعَ مَالاً وَّعَدَّدَهُ﴾ (الہمزۃ:۱،۲)

"ہر چغلی خور اور غیبت کرنیوالے پر افسوس ہے جو مال جمع کرتا رہتا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے"

سودی لین دین کا ایک بنیادی عنصر بچت ہے جو سرمایہ دارانہ نظام میں حیات بخش خون کہلاتی ہے سود کی جو صورتیں ہمارے معاشرے میں مروّج ہیں، ان میں لوگ اپنی بچتیں بنکوں میں جمع کروادیتے ہیں ۔اس طرح بھی صنعت کاری وتجارت کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے...... کاروباری معیشت کی بنیاد ایسے اُصول پر ہے جہاں ایک کی ضرورت دوسرے کے لئے رسد کی فراہمی کا ذریعہ اور ایک کی آمدنی دوسرے کا خرچ ہے۔ اگر یہ دائرہ کار درست گردش کرتا ہے تو معیشت کی ترقی اور فروغ یقینی ہے لیکن اگر گردشِ سرمایہ محدود ہو اور طلب ورسد میں رکاوٹ حائل ہو تو بے روزگاری، مہنگائی، قرض وغیرہ کو رواج ملتا ہے۔

بنک انٹرسٹ کے بارے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سودی قرض لینے کا اہل وہی شخص ہے جو اس کے مقابل کوئی اور اسی قیمت کا اثاثہ رہن رکھوا سکے لہٰذا قرضے کی گردش امراء تک محدود رہتی ہے جبکہ علم معاشیات کا مسلمہ اصول ہے کہ گردشِ دولت کی رفتار جتنی تیز اور جتنے وسیع دائرہ کار ہوگی، معاشرہ کی معیشت بھی اسی رفتار سے ترقی کرے گی۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ مرحوم (راقم کے نانا مرحوم) نے اپنی کتاب میں بڑی خوبصورتی سے اسلام میں گردشِ دولت کے فلسفے کو واضح کیا ہے جس میں سے ایک نکتہ کی وضاحت بڑی مفید ہوگی۔ آپ کہتے ہیں کہ ۱۰۰۰ روپے اگر کسی امیر شخص کے پاس ہوں تو دوسرے مال کی موجودگی میں اس کے خرچ کی نوبت دیر سے آئے گی اور وہ کچھ عرصہ محفوظ پڑا رہے گا۔ جبکہ یہ ۱۰۰۰ روپے اگر کسی غریب شخص کے پاس ہوں تو وہ ایک دو دن میں ان کو خرچ کر کے (گردش میں لانے) پر مجبور ہوگا۔ اسی طرح

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

اسلام زکوٰۃ و صدقات کے ذریعے امراء کو اپنا مال فقراء اور مساکین میں تقسیم کرنے کے احکام اور ترغیبات دے کر گردشِ دولت کی رفتار کو تیز تر کر دیتا ہے۔

(۵) سود افراطِ زر پیدا کرتا ہے: سودی نظام کا ایک نتیجہ بے روزگاری کی صورت نکلتا ہے۔ ملک میں جتنی بھی صنعت کاری کی جائے گی یا تجارتی معاملات میں جو روپیہ استعمال ہوگا، صنعت کار یا تاجر اس پر بنکوں کو سود ادا کرنے کا پابند ہوگا۔ صنعت کار یا تاجر سود کی اس رقم کو اپنی جیب سے نہیں دیتا بلکہ اس سود کو بھی اپنی Product کی قیمت میں شامل کر دیتا ہے لہٰذا اس اضافی رقم کے باعث قیمتِ خرید میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس کا اثر براہِ راست صارف کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ سود کی شرح کے تناسب سے ہی قیمتِ خرید میں اضافہ ہوگا اور گرانیٔ اشیاء کا تناسب بھی معاشی مشکلات کا باعث بنے گا۔ جس تناسب سے اشیاء کی قیمتِ خرید میں اضافہ ہوگا، اسی تناسب سے صارفین کی تعداد میں کمی واقع ہوگی جس کے باعث طلب و رسد میں کمی واقع ہوگی جس کے نتیجے میں صنعت و تجارت نقصان کا سامنا کرنے کے بعد بند ہو جائے گی اور اس کا منفی اثر ملکی معیشت پر پڑے گا۔

افراطِ زر جو اس وقت ہماری ملکی معیشت کا سنگین ترین مسئلہ ہے، کا تعلق سود سے بھی ہے۔ حکومتیں عوام سے رقم حاصل کرنے کے لئے بنکوں میں زیادہ شرح سود پر قرض جمع کرانے کی ترغیب دیتی ہیں۔ جبکہ ملکی معیشت میں مندی کے باعث تجارت کر کے بھی اس قدر اضافہ حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ بنک اس شرح سود کی ادائیگی میں اپنا خسارہ پورا کرنے کے لئے سٹیٹ بنک سے تقاضا کرتے ہیں۔ بنکوں کے خسارے سے سٹیٹ بنک اور حکومت متاثر ہوتی ہے، چنانچہ اس خسارے کو کرنسی کی قیمت گرا کر، دوسرے لفظوں میں زیادہ نوٹ چھاپ کر حکومت پورا کر لیتی ہے۔

معاشی ماہرین یہ بات بخوبی سمجھتے ہیں کہ زیادہ شرح سود، ایک ناکام معیشت کی علامت ہوا کرتی ہے۔ وہ حکومتیں جو مالی مشکلات کا شکار ہوں، عوام کو بنکوں کے ذریعے زیادہ شرح سود کا لالچ دے کر فوری طور پر تو سٹیٹ بنک کے دائرہ اختیار میں کافی رقم جمع کر لیتی ہیں لیکن یہ صورتحال دراصل ناکام معیشت کا پیش خیمہ ہوا کرتی ہے۔ عین یہی صورتحال ان دنوں وطن عزیز میں بھی حکومت نے آمدن جمع کرنے کے لئے اپنا رکھی ہے۔

یورپی ممالک میں یہی وجہ ہے کہ کچھ برسوں سے بہت کم شرح سود متعارف کرائی جارہی ہے۔ ہمارے ہاں اگر یہ شرح سود ۱۵ فی صد کے لگ بھگ ہے تو جاپان اور یورپ میں بعض بنک ایک فیصد شرح سود پر بھی قرضے دے رہے ہیں۔ اور وہ اس سے بھی زیادہ کم کرنا چاہتے ہیں۔ جدید دنیا آج معیشت کی کامیابی کے لئے شرح سود کو ختم کرنے یا بالکل کم کرنے کے درپے ہے، اور تجربات کے بعد اسے کامیاب معیشت کی ضمانت قرار دے رہے ہیں اور ہم اسلام کے نام لیوا، اللہ کے واضح احکامات اور سود کے مفاسد خوب جاننے کے باوجود سود میں گھٹنے گھٹنے دھنسے ہوئے ہیں، ہمارے لئے یہ مقامِ فکر ہے! ☆

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ